در زبانِ دیگراں

میں ایک آخری بات کہنا چاہتا ہوں یہ بات ایسی ہے کہ میں اپنی زندگی کے تمام واقعات کو بھول سکتا ہوں لیکن فضائلِ اسلام کے سلسلے میں اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتا، آپ یہ خیال نہ کریں کہ یہ بات میرے کسی اُستاد کا قول ہے، نہیں یہ طرابلس (شام) کے ایک مقتدر عیسائی کا قول ہے۔ یہ شخص جرمنی کا سفیر تھا میں اس زمانے میں بالکل نوعمر تھا اور سفیر مذکور کے پاس کسی ضرورت سے گیا۔ اس نے قومی، وطنی اور ترقیاتِ حاضرہ کے مسائل پر گفتگو شروع کر دی۔ جب میں نے یہ بتایا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سبب یہ ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں کو چھوڑ بیٹھے ہیں تو سفیر نے میرے خیال کی تصدیق کی اور کہنے لگا:۔

"بے شک اسلام کے فضائل پہاڑوں کی طرح مستحکم اور بلند ہیں لیکن تم لوگوں نے انہیں اس طرح زمین کے اندر دفن کر دیا ہے کہ آج ان کا پتہ تک نہیں چلتا۔ اس کے خلاف ہم عیسائیوں کے پاس کچھ بھی شئے موجود نہیں لیکن پھر بھی ہم اس کی اشاعت و تبلیغ میں اس قدر مصروف اور سرگرم رہتے ہیں کہ آج وہ تمام دنیا پر چھا گئی ہے۔

(علامہ سیّد رشید رضا مصری رحمہ اللہ تعالیٰ)

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مرویات معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ —— (۲۲) —— محمد سعید الرحمٰن علوی

عَنْ مُعَاوِیَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ نَھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم عَنِ الشُّرْبِ فِیْ اٰنِیَۃِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَنَھٰی عَنْ لُبْسِ الذَّھَبِ وَالْحَرِیْرِ وَنَھٰی عَنْ جُلُوْدِ النُّمُوْرِ اَنْ یُّرْکَبَ عَلَیْھَا وَنَھٰی عَنِ الْمُتْعَۃِ وَنَھٰی عَنْ تَشْدِیْدِ الْبِنَاءِ۔

(رواہ الطبرانی ج ۲ ص ۱۹۰)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم نے ان چیزوں سے منع کیا سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پینا، مرد کا سونا اور ریشم استعمال کرنا، چیتے کی کھال پر بیٹھنا، متعہ اور پختہ عمارتیں بنانا۔

اسلام کے پیغام سرمدی کے دنیا میں آنے سے پہلے دنیا میں ہر برائی موجود تھی اور خود "مکہ معظمہ" جہاں سرور عالم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے وہاں کی حالت تو بہت ہی ابتر تھی۔ اس سب سے زیادہ بگڑے ہوئے خطہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو بھیجا۔ آپ نے جو تکلیفیں برداشت کیں وہ بھی معلوم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت اور آپ کی پیغمبرانہ استقامت سے اس معاشرہ کی ایسی کایا کلپ ہوئی کہ بقول کسے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

وہ لوگ بدعقیدہ تھے، اعمال خیر سے محروم تھے۔ فضول خرچی اسراف و تبذیر، بے راہروی جیسی چیزیں عام تھیں داعی اعظم، نبی رحمت علیہ السلام نے ان کی ایک ایک غلطی پر انہیں ٹوکا۔ لیکن اس ٹوکنے اور تنقید میں محبت اور پیار کا عنصر غالب تھا۔ اصلاح مقصود تھی، راہ راست پر لانا تھا اس لئے بڑے سے بڑے دشمن بھی رفتہ رفتہ اس ہادی برحق کی طرف متوجہ ہو گئے انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوا، ندامت میں ڈوب گئے اور اپنی زندگیاں اس رُخ پر ڈال لیں جو رُخ سرور کائنات کا بتلایا ہوا تھا۔

اس حدیث میں سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال سے روکا گیا ہے یہ اشیاء بندہ مومن کو جنت میں نصیب ہوں گی لیکن تب جب اس نے اس دنیا کی محدود زندگی میں منشاء ربانی کے مطابق زندگی گذاری ہو ورنہ یہاں چند دن کی عارضی خوشی اور وہاں نہ ختم ہونے والا رونا، سونا چاندی کا استعمال عورت کے لئے درست ہے لیکن اس اہتمام کے ساتھ کہ زیورات کی باقاعدہ زکوٰۃ دی جائے ورنہ اسی نوعیت کے زیورات آگ سے بنا بنا کر متعلقہ اعضاء میں ڈالے جائیں گے اور اس سرمایہ کو تپا کر داغ دئے جائیں گے۔ مرد کے لئے محض چاندی کی مختصر انگوٹھی ۴½ ماشہ تک جائز ہے اور بس۔ اب بے احتیاطی بہت ہو رہی ہے لیکن ہے سنگین جرم! ان اشیاء کے برتنوں کا استعمال ملوک عجم کی خرمستیاں ہیں، اسلام کی روایتی سادگی کے منافی ہیں۔ اور یہ تکبر و غرور اور عُجب کا باعث ہے۔ یہی حال ریشم کا ہے مرد کے لئے اس کا استعمال قطعاً ممنوع اور نادرست ہے۔ حضور علیہ السلام نے ریشم کی بعض مصنوعات لوگوں کے جسم پر دیکھیں تو روک دیا۔ دوسرے وقت میں بعض ایسی مصنوعات بعض صحابہ کو عنایت فرمائیں تو انہوں نے جلا دیں۔ کہ آپ کو ان کا استعمال

(باقی پر)

ہفت روزہ
خدّام الدین
لاہور

جلد ۲۶ ❊ شمارہ ۳۴
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ ❊ ۲۰ فروری ۱۹۸۱ء

اس شمارہ میں

رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
مدیر منتظم
مولوی محمد اجمل قادری
مدیر
محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل اشتراک	سالانہ -/۶۰، ششماہی -/۳۰
	سہ ماہی -/۱۵، فی پرچہ 1/50

اداریہ

دعوتِ عزم وایثار

علمائے دیوبند جن اصحاب فکر اور ارباب بصیرت کے جانشین ہوئے انہوں نے اردو زبان کے ایام طفولیت ہی میں اس بروا کے چکنے چکنے پات دیکھ کر اس کے مستقبل کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لئے انہوں نے فارسی زبان میں جو اس دور کی سرکاری، دفتری اور علمی زبان تھی اپنے افکار وتحقیق کی تدوین کے ساتھ اردو میں بھی دینی علوم و معارف کے تالیف و ترجمہ کے کام کا آغاز کر دیا تھا اور جب اردو زبان کی تاریخ کا وہ دور شروع ہوا جسے سرسیّد کا دَور کہا جاتا ہے یا تاریخ کا وہ نقطہ جہاں سے غالب کی اردو خطوط نگاری کا دَور شروع ہوتا ہے وہاں تک بھی علمائے دیوبند کے اسلاف کی خدماتِ اردو زبان کے دو دور گزر چکے تھے۔ پہلے دَور میں شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے تراجم قرآن کے عظیم الشان کارناموں کا ذکر آتا ہے اور دوسرا دور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان سے شروع ہوتا ہے۔ تحریک اصلاح و جہاد کے متعدد مصنفوں اور شاعروں کی ادبی کاوشوں کا ذکر بھی اسی دَور کی لسانی خدمات میں آتا ہے۔ یہ دونوں دور غالب کی اردو خطوط نگاری اور سرسید احمد خاں کی اردو ادبی خدمات کے آغاز سے پہلے گذر چکے تھے۔

۱۸۵۷ء کے بعد دارالعلوم دیوبند کا قیام تاریخ اسلامیان ہند میں چودھویں صدی ہجری کا عظیم الشان اور انقلاب انگیز واقعہ ہے۔ اس پر ملّی اور قومی تاریخ یا علوم و معارف اسلامیہ کی تعلیم و اشاعت کے نقطۂ نظر سے غور کیا گیا ہے اور مختلف طریقوں سے ملّی تاریخ میں اس کے قیام کی اہمیت زیر بحث آئی لیکن خالص لسانی اور ادبی نقطۂ نظر سے اس کی خدمات پر توجہ نہیں کی گئی۔ حالانکہ تاریخ ادب اردو کا یہ ایک عظیم الشان موضوع ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور ان کے اکابر نے کئی طریقوں سے اردو زبان و ادب کی خدمات انجام دی ہیں:۔

الف : دارالعلوم کے قیام و وجود سے اردو زبان و ادب کی تحریک کو تقویت ملی۔

ب : دارالعلوم کے اکابر نے اپنے اپنے ادبی و لسانی ذوق اور تصنیف و تالیف کے کاموں سے اردو ادب کی خدمات انجام دیں۔

ج : اکابر دیوبند کی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر جو حضرات نکلے انہوں نے مذہب، تاریخ، صحافت، فلسفہ وغیرہ مختلف فنون و علوم اسلامی، شاعری، ادب، حتیٰ کہ خاص لسانیات کے شعبہ میں اور دیگر عصری علوم و فنون کے میدانوں میں اپنے خاص ذوق سے بیش قیمت اضافے کئے۔

د : اکابر دیوبند اور اس کے سیاسی ادارے جمعیۃ علمار ہند کا برصغیر کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے اردو زبان پر یہ احسان بھی ہمیشہ یاد رکھا جانے کے قابل ہے کہ انہوں نے برٹش استعمار کے خلاف اور حریت طلبی کا پورا مقدمہ اردو زبان میں لڑا، اور اس موضوع پر اتنا مواد مہیا کر دیا کہ آزادی کی پوری تاریخ اسی سے مرتب کی جا سکتی ہے۔

ه : علمی و تحقیقی اداروں کے قیام سے اردو ادب کے ذخیرے میں قابل قدر اضافے کئے۔

و : اور تاریخ کے کسی مرحلے میں اگر سیاسی محاذ سے اردو زبان کے دفاع کی ضرورت پیش آئی تو جمعیۃ علمائے ہند نے کمال بصیرت اور پوری مستعدی اور نظم و ضبط کے ساتھ بہ دلائل اس مقدمہ کو لڑا۔

تاریخ دارالعلوم دیوبند، اس کے اکابر اور اس کے اداروں پر بہت قیمتی اور بڑی تعداد میں مواد موجود ہے۔ لیکن جہاں اس امر کی ضرورت ہے کہ دارالعلوم کی تاریخ و خدمات پر ایک جامع تصنیف پیش کی جائے وہاں اس امر کی بھی شدید ضرورت ہے کہ اس کی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر محققانہ تصانیف پیش کی جائیں تاکہ قومی و ملی زندگی کے مختلف گوشوں میں دارالعلوم اور اس کی خدمات کا تعارف ہو سکے۔

یہ مرحلہ طے ہو تو اس کے تعارف کے لئے عربی اور انگریزی میں ان کتابوں کے تراجم کئے جائیں۔ بلاشبہ اردو زبان میں دارالعلوم اور اس کے متعلقات و خدمات پر بہت بڑا ذخیرہ ہے لیکن دارالعلوم کسی گزری ہوئی اور مردہ تاریخ کا نام نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند احیائے ملت کی ایک زندہ تحریک کا نام ہے اور موجودہ سائنسی دور میں کسی تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ عربی اور انگریزی زبانوں میں اس کی تاریخ، اس کے اغراض و مقاصد اور بنیادی مواد مرتب کر دیا جائے۔ یہ وقت کی زبان پر ایک صدا ہے دیکھنا یہ ہے کہ اس کا جواب کوئی صاحب عزم محقق و مصنف دیتا ہے یا کوئی صاحب ایثار اس کے لئے وسائل مہیا کر کے راستے کی رکاوٹیں دور کر دیتا ہے۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

بقیہ مجلس ذکر صفا سے آگے

ہے اسی قسم کی گفتگو کرنا ان کا معمول بن چکا تھا۔ درویش منش انسان تھے رائے کا اختلاف الگ بات ہے لیکن ان کی دیانت و فراست کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ساری عمر دین کی خدمت میں گذار دی۔ یہ بہت ہی نیک فال ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالے ان سمیت ہمارے تمام علماء اور دین کے خدام کے ساتھ اپنی خصوصی رحمت کا معاملہ فرمائے۔ مجھے آپ کو بھی تیاری کی فکر زیادہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالے سے درخواست کرنی چاہیئے کہ وہ مابقی زندگی اپنی مرضی کے مطابق گذارنے کی توفیق دے اور ایمان کی موت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

مجلس ذکر

ضبط و ترتیب : علوی

موت کی تیاری کریں

پیر طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم

اما بعد :۔

محترم حضرات ! حضور رحمت دو عالم نبی مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کے خادم خصوصی حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ایک روایت حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہے تبرک کے لئے پہلے اس کے الفاظ سماعت فرمالیں۔

عَنْ اَنَسٍ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم یَتْبَعُ الْمَیِّتَ ثَلٰثَۃٌ فَیَرْجِعُ اِثْنَانِ وَ یَبْقٰی مَعَہٗ وَاحِدٌ یَتْبَعُہٗ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ وَ عَمَلُہٗ فَیَرْجِعُ اَھْلُہٗ وَ مَالُہٗ وَ یَبْقٰی عَمَلُہٗ۔

حضور سرور عالم علیہ السلام نے فرمایا۔ میّت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں پھر دو واپس آجاتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہتی ہے۔ میّت کے ساتھ اس کا اہل اور مال اور عمل جاتے ہیں پھر اہل اور مال لوٹ کر آجاتے ہیں اور اس کا عمل ساتھ ہی رہتا ہے۔

(خلاصۃ المشکوٰۃ از حضرت لاہوری صہ)

موت کی اٹل حقیقت کو کوئی تسلیم کرے نہ کرے اس سے بچ کوئی نہیں سکتا۔ ”کلّ نفس ذائقۃ الموت“ کا قرآنی ارشاد بہت ہی معروف ہے۔ اور جب سے دنیا معرضِ وجود میں آئی ہے اس وقت سے اب تک یہی سلسلہ قائم ہے خود ہم نے اپنی محدود زندگی میں دسیوں جنازے پڑھے اور سینکڑوں ہزاروں کے مرنے کی خبریں سنیں انسان کا جب مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر تقدیم تاخیر نہیں ہوتی اور روحانی و مادی اعتبار سے کوئی چھوٹا ہو یا بڑا موت کا پیالہ پی کر اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

قبر سے متعلق حدیث میں بڑی تفصیلات ہیں۔ اچھے اور بھلے لوگوں کی قبریں کشادہ ہو جاتی ہیں، جنّتی ہوائیں انسان کی راحت و طمانیت کا باعث بنتی ہیں اور ”نم کنومۃ العروس“ (دلہن کی مانند میٹھی نیند سو جا)، کا مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس برے لوگ اور بدعقیدہ لوگ سختیوں کا شکار ہوتے ہیں اور یہ تفصیلات بڑی ہی سوہان روح ہیں۔

حضور علیہ السلام کے مخالفین کو اپنی جماعتی برتری اور اپنے مال و دولت کی کثرت پر ناز تھا لیکن یہ ناز تو بے فائدہ ہے بھلا یہ چیزیں وہاں کب کام دیں گی بلکہ سچ پوچھیں تو یہ چیزیں تو دنیا میں بھی کام نہیں دیتیں۔ مال فنا ہو جاتا ہے، چوری ہو جاتا ہے، ڈاکو لے اڑتے ہیں، دیوالیہ ہو جاتا ہے اور دسیوں صورتیں ہیں۔ یہی حال برادری جماعت اور اولاد کا ہے اور مرنے کے بعد کفن قبر بس مقدر کا سودا ہے۔ آپ نے دیکھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں۔ مال اور اہل و عیال واپس آجاتے ہیں اور عمل ساتھ جاتا ہے ـــــ کسی اللہ کے بندے نے اس کا خوب ترجمہ کیا ہے

کہا احباب نے دفن کے وقت
ہم کیوں کر وہاں کا حال جانیں!
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

محترم حضرات ! اس لئے تو

(باقی ۱۰ پر)

خطبہ جمعہ

ضبط وترتیب : علوی

خوشحال لوگوں کا طرزِ عمل

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبَیداللہ انور مدّ ظلہم ○

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔

وَمَا اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ .... وَلٰـکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۔

(السباء آیت ۳۴ تا ۳۶)

محترم حضرات! سورۃ سباء کی جو آیتیں نقل کی گئی ہیں ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :۔

"اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے دولت مندوں نے یہی کہا کہ تم جو لے کر آئے ہو ہم نہیں مانتے، اور یہ بھی کہا کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے بڑھ کر ہیں اور ہمیں کوئی عذاب نہ دیا جائے گا۔ کہہ دو میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور کم کر دیتا ہے لیکن (اکثر لوگ) نہیں جانتے۔"

(حضرت لاہوری قدس سرہٗ)

اکابر اہل حق کے ارشادات

حضرت امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری نوّر اللہ تعالیٰ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں :۔

"ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت آسودہ حالوں نے کی۔ (انہوں نے) مال اور اولاد کے نشہ میں مخمور ہو کر کہا کہ ہمیں کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ (لیکن ان کی یہ سمجھ غلط ہے آپؐ انہیں بتلا دیں کہ اے غافلو! قبض و بسط رزق کی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جس مال اور اولاد پر مغرور ہو کر خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہی دیا ہوا ہے۔"

(حواشی قرآن مجید صـ۶۹۰)

مولانا احمد سعید دہلوی قدس سرہٗ رزق کی کشادگی اور تنگی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

"روزی کا کم و بیش ہونا کچھ بزرگی اور مرتبے یا حق پر ہونے کی بات نہیں کہ اس سے خوشحال لوگ اپنی صداقت پر دلیل پکڑیں بلکہ روزی کی تقسیم اور اس میں کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی دوسری مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی ہے کبھی نافرمان غنی ہوتا ہے اور فرمانبردار فقیر۔ اور اس کا عکس! لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ نحن اکثر اموالاً و اولاداً (کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں) اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی باطل ہے کہ کثرت مال و اولاد عذاب الٰہی سے بچا لے گی۔" (کشف الرحمٰن صـ۶۹۰)

حضرت شیخ الاسلام پاکستان مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

"یہ حضور علیہ السلام کو تسلّی دی گئی (کیونکہ آپ اپنی رحمۃ للعالمینی کے سبب لوگوں کے انحراف سے دل گرفتہ ہوتے) کہ آپ رؤسائے مکّہ کے [illegible] و سرکشی سے مغموم نہ ہوں ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی بدبخت رئیسوں نے کیا ہے۔ دولت و

ثروت کا نشہ اور اقتدار طلبی کا جذبہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ وہ کسی کے سامنے گردن جھکانا اور چھوٹے آدمیوں کے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کے اوّل متبعین عموماً ضعیف و مسکین لوگ ہوتے ہیں۔ کما ورد فی حدیث ہرقل (جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں روم کے بادشاہ ہرقل اور مکہ کے رئیس اعظم اور بعد میں مسلمانوں کے عظیم جرنیل حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گفتگو میں منقول ہے) (کثرتِ مال و اولاد کے سبب وہ لوگ کہتے ہیں کہ) معلوم ہوا خدا ہم سے خوش ہے اور راضی ہے ورنہ اتنا مال و اولاد کیوں دیتا؟ جب وہ خوش ہے تو ہم کو کسی آفت کا اندیشہ نہیں تم حصول عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو (اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا) یعنی روزی کی فراخی یا تنگی اللہ کے خوش یا ناخوش ہونے کی دلیل نہیں۔ دیکھتے نہیں دنیا میں کتنے بدمعاش، شریر، دہریے، ملحد (ناستک)، مزے اڑاتے ہیں۔ حالانکہ ان کو کوئی مذہب بھی اچھا نہیں کہتا۔ اور بہت سے خدا پرست اور پرہیزگار اور نیک بندے بظاہر فاقے کھینچتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ دولت و افلاس یا تنگی و فراخی کسی کے مقبول و محبوب عنداللہ ہونے کی دلیل نہیں۔ معاملات تو دوسری مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے مگر بہت لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے۔"

(تفسیر عثمانی صـ۵۶۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اللہ تعالیٰ کا جواب

خوشحال لوگوں کی خرمستیوں کا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں نقشہ کھینچا ہے اور بتلایا ہے کہ ابتدا سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے کہ پیٹ بھرا آدمی "داعی الی اللہ" کی بات نہیں سنتا وہ اپنے مال اور اولاد پر مست ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل سمجھتا ہے لیکن یہ فلسفہ تو غلط ہے یہ دنیا جو دار العمل ہے یہاں پروردگار عالم اپنی صفت ربوبیت کا مظاہرہ ہر کسی کے حق میں کرتا ہے اور اپنی بے پناہ مصلحتوں کے پیش نظر اس نے ایسا اصول بنایا ہے کہ روزی کی تنگی و کشادگی کا انحصار ایمان و عقیدہ اور عمل پر نہیں ——— حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا گھر اس کے حکم سے بنایا اپنی اولاد کو وہاں بسایا تو دعا مانگی کہ اے اللہ! ——— یہ بے آب و گیاہ علاقہ ہے تُو اپنی عنایت سے یہاں بسنے والے بندوں کو پھلوں کے ذریعہ روزی فراہم فرما اس دعا میں انہوں نے "من آمن" کی قید لگا دی کہ روزی ایمان دار بندوں کو نصیب ہو۔ حضرت حق نے فرمایا۔ نہیں جو بے ایمان اور کافر ہونگے روزی تو انہیں بھی ملے گی ہاں صبح قیامت میں وہ آگ کا ایندھن ہوں گے۔ (سورہ البقرہ آیت ۱۲۶)۔

بتلا دیا کہ روزی کا انحصار ایمان و عمل پر نہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کے منافی ہے۔ زندگی کے ان محدود ایام میں سب کو ملے گا اور عین ممکن ہے کہ جو سرکش اور متمرد ہیں انہیں ان کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی ملے جو ایماندار اور مخلص ہیں لیکن جب دفتر جزا کھلے گا اور اللہ تعالیٰ کی کچہری قائم ہوگی تو پھر معاملہ دگرگوں ہوگا وہ غریب و مخلص بندے جنہوں نے اپنی زندگی کے شب و روز انبیاء علیہم السلام کی سیرت و کردار کی روشنی میں گذارے ہوں گے وہ بڑے ہی مزے میں ہوں گے۔

اہلِ ایمان کا معاملہ

حضور رحمت دو عالم قائد اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کا معاملہ بھی ایسا ہی ہوا۔ زیادہ تر غریب اور مفلس لوگ آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ لیکن ان کا حال یہ تھا کہ وہ اللہ کے

حضور عرض کرتے اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ کہ اے اللہ! اصلی عیش اور خوشی تو آخرت کی ہے واغفر الانصار والمھاجرہ۔ یہ انصار اور یہ مہاجرین جنہوں نے تیرے نبی کی اداؤں پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا انہیں بخش دے اور ان پر کرم فرما دے ــــ ان حضرات میں سے کسی کے سامنے جب کوئی اس نوع کی نعمت آتی تو وہ آپے سے باہر نہ ہو جاتے بلکہ اسے راہِ خدا میں خرچ کر ڈالتے اور خیال کرتے کہ اس کا اصل فائدہ یہی ہے کہ جلدی سے جلدی اسے اپنے پاس سے الگ کر دیں اور ضرورت مندوں میں بانٹ کر خدا کے حضور سرخرو ہو جائیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو ہمارے نبی امیؐ علیہ السلام کے سب سے زیادہ مخلص اور جانثار صحابی ہیں اور اس مہینہ دنیا سے رخصت ہوئے انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا مال اس طرح لٹایا کہ زبانِ نبوت نے اس کی تعریف کی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا و رضوانہ کے پاس لوگ بیش قیمت ہدایا بھیجتے لیکن وہ فوراً تقسیم کر دیتیں اور بالعموم روزہ سے ہوتیں انہیں یہ بھی خیال نہ رہتا کہ ذرا سے بچا لیں تاکہ افطار سہولت سے ہو جائے ــــ یہی حال تاریخ اسلام میں پھیلے ہوئے صلحاء و عباد و زہاد کا ہے ــــ ہمارے حضرات اساتذہ اور شیوخ اور خود اپنے حضرت کو ہم نے دیکھا کہ دنیا کی دولت ان کی نظروں میں محض ہیچ تھی کیسے کیسے فاقے آئے، تنگدستیوں نے گھیرا، مصائب کا ہجوم ہوا لیکن سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

آج کا المیہ

یہ ہے کہ لوگ باگ ان قرآنی حقائق سے بے بہرہ ہو کر دورِ جاہلیت کے ایمان و عقیدہ سے محروم دولتمندوں کا سا رویہ اپنائے ہوئے ہیں، اپنی دنیوی ثروت و وجاہت کو اپنی عظمت و برتری کی دلیل سمجھتے، اہل حق کا مذاق اڑاتے، اہل علم سے تمسخر کرتے اور خدا کی مسلسل نافرمانیاں کرتے ہیں۔ یاد رکھیں "سکندر جب چلا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے" بہت مشہور بات ہے اور ہر کسی کا مشاہدہ یہی ہے۔ دنیا سے جو جاتا ہے خالی ہاتھ جاتا ہے، دولت و ثروت اور جاہ و حشمت ڈھلتے سائے ہیں، بڑے بڑے خاندان اجڑ جاتے ہیں اور شاہ فقر و مسکینی کا شکار ہو جاتے ہیں سدا رہنے والی ذات اللہ کی ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ لو لگائی، تعلق جوڑا اور اس کے حکموں کی پیروی کی، اس کے رسولوں کے نقش قدم پر چلا وہی کامیاب ہے اور بس!

آئیں اللہ سے التجا کریں کہ وہ بقدر کفاف رزق حلال سے کسی کو محروم نہ رکھے اور دولت و ثروت کی خرمستیوں سے بچا کر وہ کام کرنے کی توفیق دے جو اس کی رضا کا ذریعہ ہیں۔

اللھم بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

مولانا عبدالشکور قاسمیؒ

کامونکی ضلع گوجرانوالہ کی جامع مسجد کے خطیب، پختہ کار عالم دین، بہترین مدرس اور اہل حق کے قابل فخر ترجمان مولانا حافظ عبدالشکور صاحب گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ مرحوم نے درسیات کی تکمیل مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں کی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ سے تلمذ کا سلسلہ تھا اور ایک عرصہ تک کامونکی میں خطابت و تدریس اور افتاء کی ذمہ داریاں احسن طریقے سے سرانجام دیں۔

اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کے پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے۔

(ادارہ)

افضل البشر بعد الانبیاء، جانشین پیغمبرؐ، خلیفۂ اوّل

امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

عبدالرحمٰن جامیؔ

نام و نسب

نام مبارک عبداللہ، کنیت ابوبکر، لقب صدیق اور عتیق ہیں۔ اوّل الذکر لقب حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عطا فرمودہ ہے جہنم کی آگ سے آزاد ہونے کی وجہ سے آپ کو عتیق کہا جاتا ہے یہ لقب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطا فرمایا۔ (ترمذی جلد۲)

قبولِ اسلام

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اس وقت آپ بغرض تجارت یمن گئے ہوئے تھے واپسی پر دعوائے نبوت کا علم ہوا۔ فوراً نبی کریمؐ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جس کسی کے سامنے اسلام پیش کیا اس نے تھوڑی بہت جھجک ضرور محسوس کی۔ سوائے ابوبکر صدیق کے۔ انہوں نے بغیر لیت ولعل کے اسلام قبول کیا۔ اور یہ بات متفقہ ہے کہ آزاد مردوں میں سب سے اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔

امتحان و آزمائش

بالکل ابتداء میں ایک خدا کا اقرار اپنی جان کو زبردست آزمائش میں ڈالنا تھا۔ اور جناب صدیقِ اکبر اس آزمائش میں پورے اترے۔ متعدد بار ایک خدا سے وفاداری کے اظہار کے نتیجہ میں ماریں کھائیں۔ اور جسم لہولہان کرایا۔ مسند بزاز میں حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ کہ ایک مرتبہ قریش نے حضور اکرم کو گھیر لیا تھا کوئی آپ کو پکڑ کر گھسیٹتا کوئی دھکا دیتا اور سب کی زبانوں پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نازیبا الفاظ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کہ ہم میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظالموں کے شکنجہ سے چھڑا لیں۔ البتہ صدیقِ اکبر آگے بڑھے۔ خود مار کھائی اور نبی کریمؐ کو چھڑا لیا اور کہا بدبختو! کیا تم اس کو قتل کرو گے جو اللہ کو اپنا رب کہتا ہے۔ یہ واقعہ سنا کر حضرت علی المرتضیٰ زار و قطار رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو گئی۔ غرض یہ کہ صدیق اکبر مکہ کے تیرہ۱۳ سالہ آزمائشی دور میں کامیابی کے ساتھ پورے اترے۔

ہجرتِ مدینہ

مکّہ کی تیرہ سالہ زندگی گذارنے کے بعد مسلمانوں نے خدا کے حکم سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ کافی مسلمان جا چکے تھے تو حضورؐ نے حضرت صدیقِ اکبر سے فرمایا کہ عنقریب مجھے بھی ہجرت کا حکم ملنے والا ہے۔ اور آپ، اے صدیقؓ میرے ساتھ ہوں گے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خدا کے پیغمبرؐ کو ہجرت کی کٹھن رات میں جناب صدیق اکبرؓ کے خلوص پر کس قدر اعتماد تھا۔ سچ یہ ہے کہ اس رات میں صرف حضرت ابوبکرؓ کا خاندان ہی تھا جس نے پورے تن من دھن سے حضور رسالت مآب کا ساتھ دیا۔

مدنی دور

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آکر تقریباً دس سال بقید حیات رہے۔ اس دوران متعدد جنگیں مسلمانوں کو لڑنی پڑیں۔ تمام معرکہ ہائے جہاد میں جناب صدیق اکبر حضور علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف وجوہات

سے اٹھائیس۲۸ مرتبہ مدینہ چھوڑا ہے مگر صدیق اکبر کی وہ ذاتِ اقدس تھی کہ انہوں نے تمام ہی معاملات میں ایک مرتبہ بھی حضورؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ جنگ بدر میں نصف فوج کی کمان حضرت صدیقؓ کے سپرد تھی۔ غزوۂ خندق کے نصف حصہ کی حفاظت بھی جناب صدیقؓ کی ذمہ داری میں تھی۔ فتح خیبر میں ایک قلعہ کی فتح کا سہرا بھی جناب صدیقِ اکبرؓ کے سر بندھتا ہے، ۹ھ میں امیرالحج کا اہم ترین عہدہ حضرت صدیق اکبرؓ کو عطا ہوا۔ غرض یہ کہ نہ صرف مدینہ کا دفاع کیا گیا بلکہ اقدامی جہاد کے کام کو آگے بڑھایا۔ حتےٰ کہ خلافتِ صدیقی کے مختصر سے وقفہ دو۲ سال تین۳ ماہ دس دن میں اسلامی فوجیں عراق کے علاقہ میں داخل ہو گئی تھیں۔

آپ کی تاریخ وفات ۲۲ر جمادی الثانی ۱۳ھ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قسمت تو دیکھئے کہ ساری زندگی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت میں رہے اور دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی پیغمبرؐ ہی کے برابر آرام فرما ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والا ہر زائر جہاں آپؐ پر درود و سلام بھیجتا ہے وہیں یارِ غار رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بھی سلام عرض کرتا ہے۔

بقیہ : احادیث الرسولؐ

پسند نہ تھا۔ اور اس کی ممانعت تھی لیکن آپؐ نے فرمایا کہ میاں انہیں عورتوں کو دے دیا ہوتا کہ ان کے لئے تو ایسا کرنا جائز ہے چیتے اور اس نوع کے درندوں کی کھال کا استعمال، انہیں نشست گاہ بنانا وغیرہ منع اور ناجائز ہے اس سے عجب پیدا ہوتا ہے درندگی کے جراثیم جنم لیتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے منع کیا، متعہ سے آپ نے روکا۔ جس کی مختصر تشریح مرد و عورت کا ایسا تعلق ہے جو مقررہ اجرت پر مقررہ وقت کے لئے ہو اس میں شدید قسم کی بداخلاقی اور جنسی انارکی ہے اور کوئی آسمانی مذہب یا خود ساختہ طریق اس کو پسند نہیں کرتا۔ فطرت انسانی سے محروم لوگ اور طبقات اسے پسند کریں یا آگے بڑھ کر اسے خیر کا باعث قرار دیں تو یہ زبردست قسم کی بے راہروی ہے۔ انسانی فطرت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

آخری بات "تشدید بنا" سے ممانعت کی ہے جس میں آج ہر بڑا چھوٹا شامل ہے۔ لاکھوں کے سرمائے اینٹ مٹی گارے کی نذر ہو جاتے ہیں، ہر طرف اسی کا زور اور اسی کا چکر ہے۔ اس میں مسابقت کا جذبہ روز افزوں ہے اور ایک سے ایک بڑھ کر کوٹھی محل بنانے کی فکر کرتا ہے۔ رسول عربی علیہ السلام نے اس مصرف پر لٹنے والے سرمائے کو بدترین سرمایہ قرار دیا۔ ایک صحابی کا قبہ نما مکان نظر آیا تو ناگواری کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے گرا دیا اور منشاءِ رسالت کا لحاظ کیا۔

ارشاداتِ رسالت یہ ہیں اپنا عمل ہم دیکھیں اور پھر سوچیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی کی توفیق دے۔ آمین!

بقیہ : مجلس ذکر

عقیدہ صحیحہ کے بعد اعمال خیر کے لئے زور دیا جاتا ہے۔ یاد رکھیں عقیدہ صحیحہ کے بغیر تو بات بنے گی ہی نہیں یہ تو بنیاد ہے اس کے بعد اعمال کا مسئلہ ہے وہ صحیح اور درست ہونے ضروری ہیں ورنہ قبر اور اس کے بعد حشر کا مسئلہ دگرگوں ہوگا۔

دنیا تیزی سے ختم ہو رہی ہے اور اچھے لوگ تو برق رفتاری سے جا رہے ہیں اس میں ہمارے لئے عبرت ہے کہ ہم سوچیں کہ ہم نے بھی چلے جانا ہے۔ ہمارے مولانا غلام غوث بھی تشریف لے گئے۔ دسمبر کی آخری تاریخوں میں بھی یہاں تشریف لائے دیر تک بیٹھے رہے۔ کہنے لگے ممکن ہے آئندہ ملاقات نہ ہو میری مغفرت کے لئے دعا کر دیں اور بھی بہت سے حضرات سے پتہ چلا کہ مختلف لوگوں سے ملنا اور ان دیا قی ...

حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہٗ سے نمائندہ جنگ اظہر کا انٹرویو

اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہوا تو

(قسط نمبر ۲)

بھارتی مسلمانوں کو یقینی طور پر خوشی ہوگی

مولانا نے آگے چل کر فرمایا کہ جمعیتہ اپنے طور پر مسلمانوں کے دینی مسائل کے حل میں بھی مصروف ہے لیکن اس سلسلہ میں عائلی مسائل ہی سرفہرست ہیں اور جمعیتہ ہی کی کوششوں سے شرعی پنچائتیں بھی کام کر رہی ہیں۔ وہ نکاح اور طلاق کے معاملات کو رضاکارانہ طور پر حل کرتی ہیں اور اس سلسلہ میں قانون دانوں اور مفتیوں کی اعانت حاصل کرتی ہیں اور یہ شریعت بنچیں۔ یوپی، بہار، بنگال اور بمبئی میں خاصا مثبت کارنامہ سرانجام دے رہی ہیں۔ اسی طرح مساجد، قبرستانوں اور اوقاف کے معاملات میں بھی جمعیتہ مثبت رول ادا کر رہی ہے اور وہ خود سینٹرل وقف کونسل کے رکن ہیں۔ اسی طرح ہر صوبہ میں ایک وقف بورڈ موجود ہے اور جمعیتہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اوقاف سے متعلق شکایات کا مناسب طور پر ازالہ کر دیا جائے۔

مولانا اسعد مدنی نے اپنے انٹرویو میں جمعیتہ العلمائے ہند کے اس رول کا بھی تذکرہ کیا جو احیائے اسلامی کی تحریکات سے متعلق ہے اور کہا کہ ہمارا رابطہ عالم اسلامی ہی سے ہے اور جمعیتہ اس عالمی ادارے میں بھارتی مسلمانوں کی نمائندگی کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے اور وہ اس ادارہ کی ایشائی کمیٹی میں بھارت کے نمائندے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے پندرھویں صدی ہجری سے متعلق بھارتی پروگرام کا بھی ذکر کیا اور اس ماہ کلکتہ میں ۱۸ر اور ۱۹ر تاریخ کو پندرھویں صدی ہجری کانفرنس ہو رہی ہے۔ اور مرکزی حکومت نے نائب صدر ہدایت اللہ کی زیر قیادت ایک کمیٹی بھی قائم کر دی ہے جو اس سلسلہ میں سارے پروگراموں کو باہم مربوط بنا رہی ہے۔

مولانا نے آگے چل کر مسلمانوں کے عالمی معاملات میں جمعیتہ کی دوسری دلچسپیوں کا بھی ذکر اور کہا کہ اگر دنیا کے کسی گوشہ میں مسلمانوں پر افتاد ٹوٹ پڑتی ہے تو جمعیتہ العلمائے ہند ہی حسب حیثیت اپنی آواز بلند کرتی ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے فلپائن اور برما کے مسلمانوں کی حالتِ زار کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول کرائی اور کہا کہ ہم اس بارے میں خاصے سرگرم عمل ہیں بلکہ ہم ہی نے برمی مسلمانوں کے سفرِ حج کی اجازت میں کلیدی کردار ادا کیا ہے اسی طرح جمعیتہ العلمائے ہند نے فلسطینی مسلمانوں کی حمایت میں بھی سرگرم رول ادا کیا ہے اور جب گذشتہ مہینوں میں یاسر عرفات بھارت گئے تو جمعیتہ کی طرف سے ان کا خاطر خواہ استقبال کیا گیا۔

اس کے بعد مولانا اسعد مدنی نے کھل کر افغانستان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ جمعیتہ العلمائے ہند افغانستان میں روسی مداخلت کے خلاف ہے اور اسکا مطالبہ ہے کہ روسی فوجیں جلد از جلد افغانستان سے چلی جائیں اور ہم نے تو اس ضمن میں صرف بیانات ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہماری جانب سے سفارت خانہ کے سامنے مظاہرہ بھی کیا گیا اور ہم نے تو برزنیف کی دہلی آمد کے موقع پر بھی اس قسم کا ایک بیان جاری کیا تھا اور بھارتی صدر اور وزیر اعظم بھی افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کے حامی ہیں، مولانا اسعد مدنی نے آگے چل کر کہا کہ ہمیں افغان مہاجرین کی پریشانیوں کا قرار واقعی احساس ہے اور ہم سے اس سلسلہ میں جو تعاون بن پڑ رہا ہے اس سے ہم گریز نہیں کر رہے ہیں اور بھارتی مسلمانوں کی غالب اکثریت افغانستان میں روسی مداخلت کے خلاف ہے۔

بھارتی مسلمان اور عام بھارتی شہری

افغانستان پر روسی تسلط کے خلاف ہے

بلکہ تمام سیاسی پارٹیاں بھی سوائے کمیونسٹ پارٹی کے، افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کے مطالبہ میں شامل ہیں اور کوئی شخص بھی بھارت میں افغانستان میں روسی مداخلت کا حامی نہیں ہے۔

مولانا اسعد مدنی نے اس کے بعد بھارتی فسادات کا ذکر کیا اور کہا کہ مراد آباد کے فسادات میں جن سنگھ اور مقامی حکام شریک تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ مراد آباد کے جن سنگھی عناصر مراد آباد کے مسلمانوں کی خوشحالی سے بہت ناراض ہیں اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے کمال فن اور ہنرمندی کی بنا پر بھارت کی برآمدی تجارت میں نمایاں حصہ حاصل کرلیا ہے اور برآمدی تجارت میں مالی فائدہ کے بعد مسلمانوں نے مراد آباد کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ مراد آباد سے لکھنؤ اور دہلی کی جانب سے مضافاتی علاقوں میں کئی کئی میل تک تمام زمینیں خرید کر ان میں مکانات اور دکانیں تعمیر کرلیں اور اس سلسلہ میں اصل قیمت سے چالیس گنا زاید قیمت تک ادا کی ہے اور نو تعمیر علاقوں میں دینی مدارس اور مساجد کا جال بچھا دیا ہے۔ یہ صورت حال ہندوؤں کو پسند نہیں آئی جو منافع کمانے میں تو جواب نہیں رکھتے۔ مگر خرچ کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو اپنے غم و غصہ کا نشانہ بنایا۔

اور چونکہ پولیس اور انتظامیہ دونوں پر فرقہ پرستوں کا غلبہ تھا اس لیے دونوں نے مل کر خوب خوب تباہی مچائی۔ البتہ سنبھل میں خون ریزی کی، وہاں کے فرقہ پرستوں کو حسرت ہی رہی اور وہاں بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام نہ ہوسکا۔ مولانا اسعد مدنی نے آگے چل کر فسادات میں حکام کی شمولیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ مراد آباد میں مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان بہت زیادہ ہوا اور گرفتاریاں بھی بیشتر مسلمانوں ہی کی ہوئیں۔ ہمارے ہاں نوکر شاہی کو جو بالادستی حاصل ہے دراصل وہی ملک میں فتنہ و فساد کی ذمہ دار ہے۔ اور بھارت کا فرقہ وارانہ مسئلہ ان حکام کا ہے جو فسادات کے ذمہ دار ہیں۔ مولانا نے اس ضمن میں یہ بھی کہا کہ وہ خود بھی مراد آباد گئے تھے۔ اور وہ اس بارے میں جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس میں ان کے ذاتی مشاہدات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

مولانا نے کہا کہ ہم نے اس سلسلہ میں بہت کوشش کی ہے اور ہم کئی بار مسز اندرا گاندھی سے ملے ہیں اور حکومت بھی فرقہ واریت پر قابو پانا چاہتی ہے چنانچہ اب ایک سپیشل فورس بن رہی ہے جس میں آبادی کے تمام حلقوں کو نمائندگی دی جائے گی اور ہم یہ بھی مطالبہ کر رہے ہیں کہ جن شہروں اور علاقوں میں فسادات ہوں وہاں تحقیقات سے پہلے ہی حکام کو معطل کر دیا جائے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوا تو فسادات کی تیز رفتاری ختم ہو جائے گی اور اب قومی یکجہتی کونسل کے ذریعے بھی فرقہ وارانہ اتحاد کی کوششوں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ جب تک امنِ عامہ کی ایجنسیوں پر فرقہ پرستوں کو غلبہ حاصل ہے بھارت کو فرقہ واریت کے عذاب سے نجات نہیں دلائی جاسکتی۔

مولانا اسعد مدنی نے اس کے بعد آسام کے مسئلے کا ذکر کیا اور کہا کہ بظاہر تو وہاں بنگالی اور غیر بنگالی کا مسئلہ ہے لیکن نشانہ صرف آسامی مسلمانوں ہی کو بنایا جا رہا ہے۔ لیکن اب چند ہفتوں سے بنگالیوں کا بھی نمبر آنے لگا ہے جیسا کہ اگرتلہ میں ہوا جہاں مرنے والے تمام کے تمام بنگالی تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ بہرحال ان فسادات کے سلسلہ میں حکومت کا موقف اچھا ہے یہی وجہ ہے کہ جن ۵ لاکھ اسامی مسلمانوں کے آسام سے نکل جانے کے نوٹس تیار کرلئے گئے تھے انہیں عین وقت پر واپس لے لیا گیا اور اب تو یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آگئی ہے۔ کہ آسام کی گڑبڑ میں وہاں کے طلبہ اور نوکر شاہی کے عناصر ہی شامل نہیں ہیں بلکہ جنتا پارٹی بھی برابر ہوا دے رہی ہے اس لیے ہم نے آسامی مسلمانوں کی حفاظت کے لیے شہریوں کے حقوق کی حفاظتی کمیٹی قائم کردی ہے۔ جس کا صدر دفتر تو گوہاٹی میں ہوگا مگر اس کی شاخیں تمام اضلاع اور تمام سب ڈویژنوں میں قائم ہوں گی اور آسام کے ایک سابق وزیر سید احمد علی اس کے چیرمین اور مولانا عبدالحق اس کے جنرل سیکرٹری ہوں گے۔ یہ کمیٹی آسامی مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری ادا کرے گی اور اس معاملہ میں جمعیتہ کی مرکزی قیادت کو تازہ ترین صورتحال سے باخبر رکھے گی۔

مولانا اسعد مدنی نے اس سلسلہ میں ایک اور سوال کے جواب میں بتایا کہ مسلمانوں کا رویہ موجودہ حکومت کی حمایت میں ہے۔ اور اسی بنا پر حالیہ ضمنی انتخابات میں حکمران جماعت کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی کوششوں کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا اسعد مدنی نے کہا۔ کہ "اگر اسلام کو پاکستان میں ترقی حاصل ہو تو ہم اس سے بہت خوش ہوں گے۔" اور جب ان سے پاکستان میں بلاسودی نظام کے نفاذ کے بارے میں سوال کیا گیا تو مولانا نے فرمایا کہ اس بارے میں ان کی معلومات اخباری اطلاعات تک ہی محدود ہیں۔

مولانا اسعد مدنی نے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے متعلق بھی ہمارے سوالات کے جوابات دیئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ بات تو بہر حال طے ہو چکی ہے کہ یہ اقلیتی ادارہ ہے اور مسلمانوں کی ملکیت ہے لیکن اس سلسلہ میں اب تک جو بل واپس لیے گئے ہیں۔ ان کی وجہ یہ ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے افراد اور عناصر ان مسودہ ہائے قانون سے متفق نہیں تھے اور ان کے احترام ہی میں ان مسودوں کو واپس لیا گیا اور جیسے ہی ان کی جانب سے تائید کی صورت پیدا ہوئی ویسے ہی ضروری مسودہ قانون کو باقاعدہ قانونی شکل دیدی جائیگی۔

مولانا مدنی نے آگے چل کر پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات پر بھی روشنی ڈالی اور کہا کہ ہم ان تعلقات میں مزید اضافے اور مزید استحکام کے حامی ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ جن معاملات میں مفاہمت ہو چکی ہے ان کو زیادہ اجاگر کیا جائے۔ اور جن معاملات میں عدم مفاہمت ہے ان کے بار بار ذکر سے احتراز کیا جائے اور تعلقات ٹھیک بھی اسی وقت ہوتے ہیں جب طرفین کی جانب سے اہل دلی اور تعاون کا مظاہرہ کیا جاتے۔

جہاں تک اردو کا تعلق ہے مولانا اسعد مدنی نے فرمایا کہ بھارتی مسلمان ابتداء ہی سے اردو کی حفاظت میں سرگرم عمل ہیں۔ اور ہمارے دینی مدارس میں اردو ہی کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ہمارے مکتبے بھی اردو ہی میں تمام دینی اور مذہبی کتابیں شائع کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہم نے اپنے مکاتب میں پرائمری تک کا اسکول کورس بھی رکھا ہے اس کے علاوہ ہمارے پرائیویٹ اسکولوں میں بھی اردو ہی میں تعلیم دی جاتی ہے مگر حکومتی سطح پر ابھی تک اردو کے بارے میں رویہ صحیح نہیں تھا مگر اب حکومت نے ہمارا مطالبہ مان لیا ہے۔ اور مختلف سکولوں میں اردو کی کچھ تعلیم شروع کی جاچکی ہے۔

اور ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ اردو کی قانونی حیثیت تسلیم کی جا رہی ہے اور اس کو دوسری زبان قرار دیا جا رہا ہے اور ہم اردو کے سلسلے میں اپنی کوششیں جاری رکھیں گے۔ اور انشاء اللہ بھارت میں اردو کی حیثیت اور زیادہ موثر بنانے کی کوشش کامیابی تک برابر جاری رہے گی۔

اس کے بعد مولانا اسعد مدنی نے "ڈاک کی شرح میں کمی" ویزے کی پابندی اور کتابوں اور رسائل کے تبادلوں کے سلسلہ میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ڈاک کی شرح میں ضرور کمی ہونی چاہیئے اس لیے کہ اس سے سرحد کے دونوں طرف آباد مسلمانوں ہی کا نقصان ہوتا ہے۔ اس طرح انہوں نے ویزا کی قید اٹھانے کی بھی حمایت کی۔ کتابوں اور رسائل کے آزادانہ تبادلے کے اصول سے بھی اتفاق کا اظہار کیا مگر اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر حکومت پاکستان کا رویہ ان مسائل کے بارے میں نرم ہو جائے تو ہم اپنے اربابِ اقتدار کو ان باتوں پر راضی کرا سکتے ہیں۔

مولانا اسعد مدنی نے اپنے انٹرویو میں پاک بھارت سرحد پر کشیدگی کی خبروں کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ میں ابھی لاہور ہی کے راستے پاکستان آیا ہوں اور میں نے سرحد کے دونوں جانب کہیں بھی کشیدگی اور تناؤ کے آثار نہیں دیکھے اب اگر کوئی اس بارے میں مُصر ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی موجود ہے تو اسے ہی اس خام خیالی کا ذمہ دار قرار دینا چاہیئے۔

مولانا مدنی نے اپنے انٹرویو کے آخر میں دارالعلوم دیوبند میں ہونے والی اسٹرائیک پر بھی روشنی ڈالی اور کہا کہ خدا کے فضل و کرم سے وہاں اب تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔

(باقی صفحہ پر)

یادِ رفتگان

ایڈیٹر کے قلم سے

یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانہ کی خاک

حضرت مولانا غلام غوث رحمہ اللہ تعالیٰ اللہ کو پیارے ہو گئے —— ۴ فروری کو اس خبر کا علم ہوا۔ اس سے ایک دن قبل راولپنڈی سے والد بزرگوار کے خط کے ذریعے معلوم ہوا کہ آپ پنڈی تشریف لائے تھے اور بھوسہ منڈی کی مسجد میں جمعہ بھی پڑھایا جہاں آپ ایک عرصہ جمعہ پڑھاتے رہے۔ پھر محترم حافظ ریاض احمد صاحب اشرفی کے گھر ان کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے —— گویا یہ اُن کا آخری سفر تھا جو انہوں نے اپنے ایک بہت ہی مخلص اور عزیز دوست کی تعزیت کے لیے کیا۔

—— پھر اتفاق دیکھیں کہ جس دن مولانا کا انتقال ہوا اسی دن کوئی دس گیارہ بجے کے قریب علماء اکیڈمی شاہی مسجد کسی کام سے گیا وہاں برادر عزیز مولوی خورشید گنگوہی صاحب سے ملاقات ہوئی پھر ہم دیر تک بیٹھے رہے اور ملک میں مسلکی کام کی غرض سے مشورت اور رہنمائی کی غرض سے جن حضرات کے اسماءِ گرامی سامنے آئے۔ ان میں مولانا کا نام سرِفہرست تھا اور خورشید صاحب کی خواہش تھی کہ میں اولین فرصت مولانا سے ملوں اور اس سلسلہ میں ان سے درخواست کروں۔ ضرورت بھی تھی۔ اس لیے احقر نے ان سے وعدہ کرلیا کہ میں بہت جلد مولانا کی خدمت میں جاؤں گا۔ لیکن وہاں سے اُٹھ کر جو شیرانوالہ پہنچا تو یہ خبر سنی۔ دل پکڑ کر بیٹھ گیا۔ مشکل یہ تھی کہ اب جنازہ میں پہنچنا بھی مشکل تھا۔ بس غم و اندوہ میں وقت گزرتا رہا اور پھر موصوف کی چھیاسی (۸۶) سال کے قریب کی ہنگامہ خیز زندگی سامنے آگئی اور مجھے یہ شعر یاد آگیا۔ ؎

اس کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تابِ رازی

مولانا کی زندگی اس شعر کی مصداق تھی اور لطف یہ ہے کہ یہ کشمکش کسی جاہ و منصب، دولت و ثروت یا اس قسم کے کسی مقصد کے لیے نہ تھی بلکہ مولانا کا مقصد محض اعلائے کلمۃ الحق تھا اور بس۔

گزشتہ رات عادت نہ ہونے کے باوجود سات بجکر بیس منٹ پر مولانا سے متعلق ٹیلیویژن کا قومی پروگرام دیکھا۔ ٹی وی کے متعلقہ دوست کے علاوہ پشاور کے تین بہت ہی ذمہ دار حضرات نے اس پروگرام میں شمولیت کی۔ یعنی مولانا ایوب جان بنوری، امیر نظام العلماء سرحد، مولانا محمد امیر بجلی گھر اور ڈاکٹر فدا حسین۔ ٹی۔ وی سے متعلقہ آدمی جن کا نام میرے ذہن میں نہیں انہوں نے مولانا کی مجاہدانہ زندگی کے لیل و نہار پر بڑا خوب صورت اور رواں تبصرہ کیا اور انہیں بڑے اچھے انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ڈاکٹر فدا حسین صاحب نے غم و اندوہ میں ڈوب کر گفتگو کی۔ وقتی بُعد کے باوجود معلوم ہوتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب پر مولانا کے سانحہ ارتحال کا شدید اثر ہے انہوں نے اس مردِ مجاہد اور درویش منش رہنما کی زندگی کے مختلف ادوار کو ناظرین کے سامنے پیش کیا —— ایک بات انہوں نے ایسی کہی جو بڑے بڑے لیڈروں میں نہیں بڑے بڑے قدآور راہنما اور قائدین اس خوبی سے محروم ہیں اور یہ کام وہی کرسکتا ہے جس کی زندگی کا مقصد محض اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔ جو اللہ کے لیے جئے اور اس کے لیے مرے —— ڈاکٹر صاحب نے بتلایا کہ تھوڑا ہی عرصہ قبل مرحوم میری دکان پر تشریف لائے۔ یہ تشریف آوری میرے لیے تعجب و حیرانی کا باعث تھی۔ بات چیت ہوتی رہی۔ مولانا نے فرمایا کہ زندگی کا پیمانہ لبریز ہوا چاہتا ہے، معلوم نہیں کہ کب بلاوا آجائے۔ عملی زندگی میں بہت سی باتیں ایسی ہو جاتی ہیں جو دوستوں کی کدورت

اور رنج کا باعث بنتی ہیں۔ میں نے سوچا اپنے احباب سے مل کر معذرت کرلوں، معافی مانگ لوں۔ یہ بات کہہ کر ڈاکٹر صاحب کی آواز تو بھرا ہی گئی۔ میری خود ایسی ہی کیفیت ہوگئی۔ میں ایک ایسے خاندان کا فرد ہوں جو حضرت قیوم زماں مولانا احمد خاں صاحب قدس سرہٗ بانی خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی سے متعلق ہے۔ میرے دادا بزرگوار والد صاحب سب اس خانقاہِ پاک سے عقیدت رکھتے ہیں مولانا کا روحانی تعلق یہیں تھا۔ داداجی سے بہت مخلصانہ تعلق تھا۔ بھیرہ جاتے تو گھر ضرور تشریف لے جاتے۔ والد صاحب سے بہت تعلق رکھتے والد صاحب بھی انہیں "چچا" کی حیثیت سے پکارتے اور احترام کرتے۔ اس تعلق کے پیشِ نظر تعلیم سے رسمی فراغت کے بعد مولانا کے حکم و خواہش پر احقر حضرو کی مسجد میں چلا گیا۔ چند سال بعد وہ مسجد اوقاف نے سنبھال لی۔ احقر اپنی افتادِ طبع کے پیشِ نظر اوقاف سے نباہ نہ کرسکا۔ مسجد کی ایسی آمدنی نہ تھی۔ اٹک کے ایک صوبائی وزیر اور بعض حاسد قسم کے اہلِ علم اور ورکروں کی ملی بھگت سے یہ کام ہوا لیکن عیار لوگوں نے اس سلسلہ میں بلا وجہ مولانا کا نام لینا شروع کردیا میں یا میرے اعزہ میں سے کسی کو ایسا احساس نہ تھا نہ اس معاملہ میں مولانا سے کوئی دل میں رنج تھا۔ لیکن چونکہ بعض لوگوں نے ایسا سلسلہ کیا تھا اس لیے مولانا نے والد صاحب سے اور احقر سے خطوں کے ذریعے اور زبانی اس کی وضاحت فرمائی اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے لب و لہجہ میں غایت درجہ تواضع اور انکساری تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ واقعتہً اپنا معاملہ صاف کرنا چاہتے ہیں۔ احقر چند ماہ پیشتر بفہ حاضر ہُوا وہاں یہی بات ہوئی میں نے نہایت احترام سے عرض کیا کہ حضرت ایسی بات نہیں۔ آپ ہمارے بزرگ تھے، ہیں۔ ہمارا دل آپ کی طرف سے صاف ہے۔ آپ بار بار اس کا تذکرہ نہ فرمائیں۔ المختصر ان کا مسئلہ کچھ عرصہ سے ایسا تھا کہ وہ ہر کسی کے لئے اسی انداز سے پیش آتے۔ اور چاہتے کہ دنیا سے جانے سے پہلے پہلے معاملہ صاف ہو جائے۔

ٹی۔ وی کے پروگرام میں مولانا ایوب جان نے انہیں خوب خراجِ عقیدت پیش کیا اور کچھ دن پہلے بفہ جاکر ان سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا۔ جب کہ مولانا محمد امیر بجلی گھر نے تو کمال کر دیا انہوں نے مولانا کے اوصافِ عالیہ کا ذکر کیا اور پھر کہا کہ انہیں دیکھ کر اور یاد کرکے یہ شعر میرے ذہن میں آتے ہیں۔ ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام الا تو چیزے دیگرے

اور پھر متنبی کا مشہور شعر پڑھا کہ ؎

مضت الدھور وما اتین بمثلہ
ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

یعنی صدیاں بیت گئیں ان جیسا کوئی نہ آیا اور جب وہ آگئے تو ان کی نظیر سے زمانہ عاجز آگیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا ایسے ہی تھے —— ان کی زندگی پر تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے، احقر نے ایک موقعہ پر والد محترم مولانا محمد رمضان علوی اور عم محترم حافظ ریاض احمد اشرفی علیہ الرحمہ کے توسط سے مولانا کو منوا کر کئی دن ان کے پاس بیٹھ کر ان کے حالاتِ زندگی املا کئے اس میں ذاتی حالات برائے نام لیکن جماعتی اور قومی معاملات پر زیادہ روشنی تھی، وہ مسوّدہ میرے پاس محفوظ ہے انشاءاللہ تعالیٰ اس کی روشنی میں مزید اقدام کروں گا اس مختصر مقالہ میں زیادہ تفصیل کا موقع نہیں۔

—— بفہ کا یہ مخلص انسان اپنے نیک طینت اور دیندار والدین کی سرپرستی میں اپنے علاقہ میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ میٹرک بھی کیا اس میں کامیابی امتیازی تھی۔ والدین نے کہا۔ کہ "درانتی تیز ہے اس سے گندم کٹوائیں گے جو نہیں"۔ اور یہی جذبہ دیوبند لے گیا۔ جب گئے تو حضرت شیخ الہند اسی سال حجاز تشریف لے گئے اس لیے امام العصر حضرت محدث کاشمیری قدس سرہٗ کے پہلے سال میں دورہ حدیث کی سعادت حاصل کی۔ خلافت کے بچاؤ کے لیے اکابر دیوبند کے پروگرام کے مطابق سارے ملک کا دورہ کیا۔ جمعیتہ طلبہ کے سربراہ تھے بے پناہ کام کیا۔ فراغت کے بعد ایک سال معین المدرس رہے اور اپنی ہی درسگاہ میں کام کیا پھر مہتمم صاحب اور اساتذہ کے حکم سے حیدر آباد دکن تشریف لے گئے جہاں چند سال اصلاحی اور تبلیغی کام کیا رفض و بدعت کی وہاں گرم بازاری تھی مولانا نے ان فتنوں کو ناک چنے چبوا دیئے پھر واپس آگئے اور ساری زندگی مجلس احرار اسلام اور جمعیتہ العلماء اسلام میں گزر گئی احرار میں آپ کو بڑی عزت حاصل تھی۔ شاہ جی امیر شریعت قدس سرہٗ جن احراری رہنماؤں کی نہایت درجہ قدر کرتے ان میں مولانا بھی شامل تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد (جمعیتہ العلماء اسلام (کالعدم)) کا پیغام

گلی گلی پہنچانا انہی کا کام تھا۔ حضرت امام الاولیاءؒ لاہوری قدس سرہٗ نے اپنی امارت کے لیے مولانا کی نظامت عمومی کی قید لگائی حضرت کے بہت ہی معتمد تھے اور بعد میں جب جماعت سے اختلاف کی شکل پیدا ہوگئی۔ تب بھی شیرانوالہ آنا جانا برابر رہا۔ حضرت مولانا عبیداللہ انور سے بہت تعلق تھا مولانا بھی غایت درجہ تعلق کا مظاہرہ فرماتے ابھی دسمبر ۱۹۸۰ء میں لاہور تشریف لائے دیر تک شیرانوالہ میں مولانا کے پاس رہے خوب باتیں ہوئیں یہیں سے چنیوٹ ختم نبوت کانفرنس کے لیے تشریف لے گئے اور پہلے دن کے ربوہ اجلاس میں شرکت کی اور تقریر بھی فرمائی — جمعیۃ علماء الاسلام (کالعدم) میں اختلاف رائے کی شکل کے بعد ایک ریلا بھی آیا لیکن مولانا نے کمال درجہ استقامت کا مظاہرہ کیا۔ ان کی دیانت تو مسلّم تھی اور اس معاملہ میں تو کوئی ان پر حرف گیری نہیں کر سکتا تھا لیکن ان کی "سیاسی فراست" اب ایک سوالیہ نشان ہے اور یہ آنے والے مورخ کا کام ہے کہ وہ اس کا تجزیہ کرے۔ فرق باطلہ کے معاملہ میں اور خاص طور پر "پٹھان کوٹی فتنہ" کے معاملہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ۔ امام الاولیاء حضرت لاہوری قدس سرہما، کے بعد مولانا ہزاروی کا طرز عمل بلا مبالغہ قدیم ایام کے مجددین کی یاد دلاتا ہے۔ مصلحتوں نے بہت کچھ کرایا لیکن وہ مصلحتوں کے قائل نہ ہوسکے۔ اسی لیے میں نے عرض کیا کہ "اُن کی فراست ایک سوالیہ نشان ہے۔ بحث و اتفاق کا معاملہ تو الگ ہے لیکن آج ہر کوئی بہت کچھ محسوس کرتا ہے۔ مجھے اپنی بات کو طول نہیں دینا۔ کہنا یہ ہے کہ "اختلاف میں اعتدال" ہمارے بڑوں کا شیوہ رہا ہے اور مولانا کے معاملہ میں اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہُوا جب خدام الدین کے مجوزہ مفتی محمودؒ نمبر کے لیے ہمارے عریضہ کے جواب میں مفتی صاحب کے لیے جن بلند کلمات کا اظہار کیا وہ انہی کا حصہ تھا اور اس گرامی نامہ کو پڑھ کر مجھے ماضی قریب میں حضرت حکیم الامت تھانوی اور حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہما یاد آگئے جو شدید اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔

مولانا نے ملک کے مختلف شہروں میں جا جاکر اور احباب کو خط لکھ لکھ کر جس طرح "تلخیوں" کو "معاف" کرایا اس سے ان کی عظمت کا نقش بہت سوں کے دل پر قائم ہوگیا۔ اور میں نے ابتدا میں کہا کہ یہ رتبہ بلند ہر کسی کو نہیں ملتا قیادت کے ساتھ تواضع اور رہنمائی کے ساتھ خورد نوازی مولانا پر بس تھی۔

فوری طور پر شدّت جذبات میں یہ سطور لکھ دی گئیں۔ ان کی خدمات سے متعلق تفصیل سے لکھنا پوری قوم پر اور خاص کر ہمارے حلقہ پر ایک فرض ہے۔ دیکھیے یہ فرض کون خوش نصیب چکاتا ہے۔

بقیہ: مولانا مدنی سے انٹرویو

بلکہ دارالعلوم میں تو گزشتہ ذیقعدہ ہی سے کلاسیں کھل چکی ہیں اور اسی سوال کے جواب پر جمعیت العلمائے ہند کے صدر اور راجیہ سبھا کے رکن مولانا اسعد مدنی کا انٹرویو ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب میں اُن سے رخصت ہُوا تو ایک خاص تاثر کے ساتھ۔ اور میں نے محسوس کیا کہ مولانا اسعد مدنی ہر اعتبار سے اپنے گرامی قدر والد کے جانشین ہیں اور جمعیت العلمائے ہند کے صدر کی حیثیت سے تو وہ مسلمانوں کے سیاسی اور مذہبی امور میں حضرت شیخ الاسلام کی جانشینی کا ایک عرصہ سے حق بھی ادا کر رہے ہیں۔ پھر فکری اور نظری اعتبار سے بھی انہیں اکابرینِ دیوبند کی دینی اور علمی وراثت کا بھی حقدار کہنا چاہیئے اس لیے کہ وہ بھی حضرت قاسم العلوم کے اتباع میں علوم دینیہ کو دنیوی علوم پر قابلِ فوقیت سمجھتے ہیں۔ کراچی میں اپنے مختصر قیام کے دوران آپ نے وفاق المدارس عربیہ میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والوں اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوّری ٹاؤن کے سہ ماہی امتحان میں خصوصی نمبر حاصل کرنے والوں کو گرانقدر انعامات تقسیم فرمائے اور اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے نہ صرف اس بات پر اظہارِ مسرّت کیا کہ پاکستان کے دینی مدارس نے اپنے طور پر ایک ایسی تنظیم قائم کی ہے جس کے تمام مدارس نہ صرف اپنے امتحانات کا خود اہتمام کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے والد ماجد کے انداز میں یہ بھی کہا کہ اگر دنیا میں کامیابی اور نجات کا راستہ کسی علم میں ہے تو وہ یہی علوم دینیہ ہے۔

آپ علوم معرفت کے بھی شناور ہیں اور آپ کو سلسلۂ صابریہ، چشتیہ، امدادیہ، خلیلیہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے خلافت و اجازت بیعت حاصل ہے اور یہ سعادت بجائے خود انہیں عصر حاضر کے مسلمان علماء اور اکابر میں ایک بلند مقام عطا کرتی ہے۔

(قسط ۵)

ڈاکٹر لال دین اخگر ایم اے۔ پی ایچ ڈی شیخوپورہ

ابلیس بسترِ مرگ پر!

سہ روزہ کانفرنس کا دوسرا دن

اجلاس میں تِل دھرنے کو جگہ نہیں۔ اربابِ حکومت اور عوام پاکستانیوں کے انچارج کی تقریر سن کر لعینِ ازلی کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آتی ہے۔

مستورات کی انجمنوں کا انچارج

صدرِ محترم اور معزز حاضرین!

آپ نے وزراء حکومت کے انچارج کی نہایت مؤثر اور مدلّل تقریر سن لی ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اگر انہوں نے اپنی روائتی تندہی سے کام لیا تو میں بھی بلا شک و شبہ کامیاب ہو جاؤں گا کیونکہ ہماری ایسوسی ایشنوں میں ایسی ایسی بیگمات موجود ہیں جن کو اسلامی آئین تو درکنار اس فرسودہ نظام کے کسی ایک جزو کا بھی نفاذ منظور نہیں ہے۔ اسلام پردے کا حامی ہے، مخلوط تعلیم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ عورت کو خاوند کی غلامی میں رکھنا چاہتا ہے۔ سینماگھروں سیرگاہوں اور بازاروں میں عورتوں کے تفریحی مشاغل کا دشمن ہے۔ عورت تو عورت مردوں کے فوٹو تک کو ناجائز سمجھتا ہے۔ لہٰذا یہ قید و بند کا دستور کلیتہً فطری آزادی کے منافی ہے۔ اس لئے سن لیجئے کہ اگر رجعت پسند ہمنواؤں نے اسلامی قوانین کے اجراء کا اعلان کیا تو سب سے پہلے ہمارے اداروں میں ایک بے پناہ بغاوت پھیل جائے گی۔ اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہماری حریت پسند خواتین شام سے پہلے پہلے ایسے ملّا خیال لوگوں کا ناک میں دم کر دیں گی۔ آپ نے سنا نہیں داناؤں کا قول ہے۔ گفتن و کردن فرقے دارد۔ اگر کہنہ نظام ہم پر مسلّط کرنے کی جسارت کی تو یاد رکھئے وزراءِ حکومت ہوں یا عالموں اور سکالروں کا بے عمل گروہ ہو۔ جب تک ہمارے اداروں کی فیشن پرست لیڈیز زندہ ہیں پاکستان میں ایسے قانون کا نفاذ ناممکن بلکہ محال ہے۔ ہاں! ہاں! حکومت کی شطرنج کے مہرے ہماری آزاد منش بیگمات کے نازک ہاتھوں میں ہیں۔ لہٰذا وہ ان کی مرضی کے خلاف جنبش تک نہیں کر سکتے۔

(تالیاں۔ آزادی نسواں زندہ باد)

میرا پروگرام ہے کہ مستقبل قریب میں پاکستان کو ایک قابل رشک عشرت کدہ بنا دیا جائے گا، بڑے بڑے شہروں میں رقص و سرود کے سنٹر کھولے جائیں گے۔ سکولوں اور کالجوں میں ڈانس کے پیریڈز کو ضروری قرار دیا جائے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ مغربی ممالک سے عیّاشی کے نئے نئے سامان بڑی فراخدلی سے درآمد کئے جائیں۔ تاکہ اس ملک کی دوشیزگان آئندہ "حسینۂ عالم" کے انتخاب میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لے سکیں۔ وہ دستور جو ہمارے ملک کی پریوں اور حوروں کو تاریک گھروندوں میں محصور رکھنے کا داعی ہو اُس سے خدا کی پناہ!

(نعرے۔ تالیاں)

ابلیس کرسیٔ صدارت سے!

مَیں آپ حضرات کے اجتماع کو دیکھ کر اور تقاریر سن کر قلبی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ میری گھبراہٹ اور دہشت طمانیت میں بدل رہی ہے۔ مجھے آپ کے تعاون پر پورا اعتماد ہے۔ حکومت کے کارندے اور خواندہ خواتین اگر ہمارے اشاروں پہ کام کرتی رہیں تو سارا قضیّہ حل ہو جائے گا۔ میری نگاہ میں ابتداء سے ہی عورت کا مقام بڑا بلند ہے۔ خالق دو جہاں نے عورتوں کی اس جبلّی خوبی کا خود اعتراف کیا ہے" اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ (عورتو! بلاشبہ تمہارا مکر و فریب بڑا ہی کارگر ہے) میری روحانی نسوانی اولاد کے انچارج کی تقریر نے میری ڈھارس بندھا دی ہے۔ میرا تجربہ ہے حوّا کی بیٹیوں نے اپنا مؤقف آج تک نہیں بدلا۔ تاریخ شاہد ہے طبقہ نسواں نے ہمارے مشن (والذین کفروا اولیاؤھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمٰت) کو ہر زمانے میں کامیاب بنانے میں بڑی جرأت سے کام لیا ہے۔ نوحؑ اور لوطؑ کی بیویاں اگرچہ ہمارے دشمنوں کے گھروں میں تھیں مگر تا زیست ہماری وفادار رہیں۔ عزیز مصر کی بیوی نے جوانی میں یوسفؑ پر حملہ کر کے ہماری خوشنودی حاصل کی۔ فرعون، ہامان، قارون، نمرود، شداد، ابوجہل۔ کذّاب دجّال مدعیانِ نبوت، متجدّدین اور باقی غدّارانِ مذہب و ملّت جن کے کارناموں پر مجھ کو ناز ہے۔ ان سب نے خواتین کی آغوش میں ہی پرورش پائی تھی۔

المختصر! طبقہ زناں پر مجھ کو پورا بھروسہ ہے۔ لہٰذا میری دعا ہے کہ اس کائنات کی تمام دوشیزگان میری محفل کی زینت بنی رہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے برہنہ رقّاصی، جنسی نمائش، خودنمائی اور تعیش و معاشقہ کی داد دیتی رہیں۔ تاکہ نظامِ کہنہ کے ریگستانوں سے جو بادِ سموم چلنے والی ہے اُس کی زد سے ہر دو جنس کے سدا بہار پھول اور غنچے جھلس کر نہ رہ جائیں۔ سب مل کر بلند آواز سے کہو" آزادی پسند خواتین زندہ باد!

(نعروں سے دشت و جبل گونج رہے ہیں۔ ابلیس اپنی خبیث امت کے اجتماع پر مسرور ہو رہا ہے۔ اب تعلیمی اداروں کا انچارج اسٹیج پہ آ کر اپنا خطاب شروع کرتا ہے)

سکولوں اور کالجوں کا انچارج

صدر گرامی قدر! اور معزز ساتھیو! میری کارکردگی محتاجِ تعارف نہیں۔ نوجوان مرد و زن کو خوگرِ لغویات بنانا میرے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے اسلام اسلام کی رٹ لگانے والے

خود فریبی کا شکار ہیں۔ بھلا چودہ سو برس کی بدوی تہذیب کا وہ لایعنی نقشہ آج کے متمدن اور ترقی پسند اداروں میں کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے کالج یونیورسٹی بلکہ سکولوں کا طالب علم اپنی شخصیت کو کیونکر اس قدر تسفّل میں گرا دے گا کہ وہ پتلون، ٹائی، جیسے شاہانہ طمطراق کو اتار کر باوا آدم کی پہلی پوشش کو زیبِ تن کریں۔ الاماں۔ للعجب، دنیائے دوں للعجب! کیا یہ ممکن ہے کہ ہماری حسین و جمیل، فخرِ شباب موجودہ پود کے ذہنوں میں کوئی شخص یہ نحوست پیدا کر دے۔ کہ وہ رات دن کی کنگھی پٹی، بھڑکیلے رنگ کی بوشرٹیں، روزانہ پالش، شیو، پاؤڈر سُرخی کا استعمال اور سگرٹ نوشی کو ترک کر دیں۔ اور ملّاؤں کی یتیموں جیسی ٹوپیاں لمبے لمبے کُرتے، ٹخنوں کے اوپر شلواریں اور چاند جیسے روشن چہروں پر داڑھیوں کی آفت کو قبول کر لیں۔

"ایں خیال است و محال است و جنوں"

"نماز با جماعت پڑھو" کے اعلان کی جس قدر تذلیل ہو رہی ہے یہ بھی ہمارے مشاق کارکنوں کی حسن کارکردگی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ سکولوں میں طلبہ، ماسٹر صاحبان کالجوں میں طلبہ، طالبات، لیکچرار،

پروفیسر حضرات اور یونیورسٹیوں میں تمام شعبوں کے خداوندانِ علم و فضل تک مجال ہے نماز کے وقت صفوں میں آ کر کھڑے ہوں۔ جب ہم گھٹیا قسم کے چند طلبہ اور غریب گھروں کے اہلکاروں کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہمیں اپنی فتح کا پورا یقین ہو جاتا ہے

اگلے دن لاہور چھاؤنی میں ایک بوڑھے دیہاتی نمازی کو دو نمازیں پڑھنے کا موقع ملا وہ کمبخت واپس آ کر اپنے محلّے کی مسجد میں کہہ رہا تھا کہ دیکھئے! پوری چھاؤنی میں صرف پانچ چھ سپاہیوں نے با جماعت نماز پڑھی۔

اگر سکولوں اور کالجوں میں رہ کر نوجوانوں کے امیرانہ ٹھاٹھ میں فرق آ جائے تو کل کو اور کون سی سوسائٹی ہے جس میں یہ لوگ اپنی عمر کے لحاظ سے اپنی آن بان قائم رکھ سکیں گے۔ عزّت اسی میں ہے۔ کہ طالب علم امیر ہو یا غریب اپنے ساتھیوں کی ہمسری کا ہر موقعہ پر خیال رکھے۔ اسلامی حکومت کا مطلب اگر جوانی میں جنسی رغبتوں سے دُور رکھنا ہے تو اربابِ حکومت سُن لیں کہ کالجوں کے نتائج خواہ ۱۰ فیصد نکلیں ہمارے رنگیلے بانکے نوجوان رنگ رلیوں سے ہرگز باز نہیں آ سکتے۔ قوتِ شہوت کی موجودگی میں اُس کی تسکین کے اسباب کی طرف رجوع کرنا کیسے معیوب ہو سکتا ہے؟

"ابلیس" کرسیٔ صدارت سے!

مرحبا، مرحبا، آج کے بچّے کل کو افرادِ قوم بنیں گے اگر ان کی تربیت ہمارے پسندیدہ انداز پر ہوئی تو عادات کی پختگی کے بعد ان کو کوئی چیز بھی ہماری نافرمانی پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ مستقبل کی ساری امیدوں کا سہرا فقط آپ ہی کے سر پر ہوگا۔ میری تجویز تو یہ ہے کہ اگر ہمارے اداروں کے طلبہ اور طالبات کو ان کے والدین اسلامی دستور کا پابند بنانے کی کوشش کریں تو وہ بھوک ہڑتال کر کے اپنے والدین کو ڈرا لیا کریں بلکہ مجھے تو امید ہے کہ نوبت یہاں تک نہیں پہنچے گی۔ کیونکہ ان کے سرپرست بھی ہمارے ہی وفاشعاروں میں سے ہیں۔ یاد رکھئے! کالج کی فضا میں ناول، ڈرامے، لچر پوچ لٹریچر، جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ڈائجسٹ اور باقی ہر قسم کی خرافات کو عام کیا جائے۔ جلسے تقاریر، مباحثے اور مکالمے ایسے ایسے عنوانات پر ہوں جن میں اسلام کی توہین و تضحیک کے نمایاں پہلو نکلیں، ملّا ازم کی پھبتیاں اڑائی جائیں — قرآنی حقائق اور روایات کو دفترِ پارینہ سمجھ کر ہاتھ تک نہ لگایا جائے۔ ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی زندگی کو ہر لحاظ سے ہر دلعزیز بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ تاش، شطرنج اور بال روموں کی حاضری کو دستور العمل بنایا جائے۔ دیکھئے! ظالم اکبر الہ آبادی نے میری ایک پرانی تجویز پہ ان الفاظ میں پھبتی اڑائی ہے۔ مجھے اعتراف ہے۔ اُس نے سچ کہا ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

بچوں کے قتل سے فی الواقع اتنا فائدہ نہیں ہُوا تھا جتنا کالجوں کی الحاد آموز تعلیم سے ہُوا۔ ملّا، جاہل ملّا ہزار قرآن کی آیات پیش کرے ہمارے پروردہ قہقہہ لگا کر آگے گذر جاتے ہیں۔ برکلے، میکالے، رُوسو اور جان ڈیوی کے نظریات کو ہر کالج میں الہامی کتب پر ترجیح دی جاتی ہے اور پھر یہ اثر اتنا دیرپا ہوتا ہے کہ تا دمِ واپسیں اس میں ذرہ بھر تذبذب پیدا نہیں ہوتا۔ اور ان لوگوں سے ہم علّامہ چُن چُن کر ظلّی بروزی نبوت اور برخود غلط مجدّدیت کے دعویدار تیار کرتے ہیں۔ خیر! آپ اپنے پروگرام میں بڑے مشاق ہیں۔ مَیں آپ کی حسنِ کارکردگی کی داد دیتا ہوں اور آئندہ بھی آپ کی مخلصانہ خدمات سے ہمارے مشن کی ہزاروں توقعات وابستہ ہیں۔ (ابلیس کا چہرہ تمتما رہا ہے حاضرین جلسہ میں ایک خوشی کا عالم ہے۔ ابلیس ہر انچارج کی تقریر پر [illegible] تحسین کے نعرے لگاتا ہے)

ترتیب: بشیر احمد قادری: مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی

حقّ و باطل کی آویزش

معاشرہ پر مدارسِ عربیہ کے اثرات

حق تبارک وتعالیٰ کے ارشاد گرامی:۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کے مطابق ابتدائے آفرینشِ عالم سے حق وباطل، خیر وشر، نیکی و بدی، صلاح و فساد، ظلم و عدل، نور و ظلمت ایمان وکفر ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما اور برسرپیکار ہیں۔ اس عالمِ آب وگل اور کائنات ہست و بود میں جب بھی، جہاں کہیں بھی لڑائی جھگڑا ہوا یا قتال و جدال کا سلسلہ شروع ہوا وہاں لازماً ایک فریق حق پر ہوتا ہے اور دوسرا باطل پر۔ جب ان میں سے ایک غالب آتا ہے تو دوسرا حتماً مغلوب ہوتا ہے، ایک پھیلتا ہے تو دوسرا ضرور سکڑتا ہے۔ جب ایک تروتازہ ہوتا ہے تو دوسرا لامحالہ کملا جاتا ہے۔ جب ایک شگفتہ ہوتا ہے تو دوسرا یقیناً پژمردہ وافسردہ ہوجاتا ہے۔ اگر حق پھیلے گا، نیکی پھلے گی، عدل غالب آئے گا، نور ضوفشاں ہوگا تو لازماً باطل، برائی، ظلم اور ظلمت سکڑے اور سمٹے گی، مغلوب و مقہور ہوگی، اسی طرح اس کے برعکس ہوگا۔

خیر اور نیکی اس صراطِ مستقیم، طریق قویم صحیح، صاف اور خطرات و خدشات اور مفاسد و قبائح سے پاک صاف راستہ کا نام ہے۔ جو بنی آدم کی فلاح ونجاح، روحانی ترقی وارتقاء اور دین و دنیا کی کامیابیوں، کامرانیوں اور سرفرازیوں کا ضامن ہے۔ اور شر اس غلط، خطرناک، دشوار گذار راستہ کا نام ہے جس کا راہی قعر مذلت میں گر کر خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَة کا مصداق بن جاتا ہے جس میں قدم قدم پر تباہی کے عمیق غار آتے ہیں جس میں ہر گام جہنم کی گہرائیوں تک پہنچانے کا سبب بنتا ہے۔

حق تعالیٰ نے خیر کے داعیوں (انبیائے کرام علیہم السلام)، کو بھی پیدا فرمایا جو خیر اور نیکی کا سرچشمہ اتقان و ایمان کا منبع اور علم وعرفان کا مصدر ہوتے ہیں۔ جن کی پاکیزہ تعلیمات سے بنی نوعِ انسان کے دلوں میں ہدایت کے چشمے جاری ہوتے ہیں۔ جن کی پاک ہستیاں کفر و شرک، ظلم و عدوان اور بدعات و محدثات کو دور رکھنے کا سبب بنتی ہیں اور "داعی الی الشر" پیکرِ شرافت، مجسمہ خباثت و رزالت، ۔ شیطان علیہ لعنۃ الرحمان کو بھی پیدا فرمایا تاکہ انسان کے لیے جو فاعل مختار ہے دونوں راستے واضح ہو جائیں۔ کما

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ

حق تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے محض اپنے فضل وکرم اور لطف و احسان سے بنی نوعِ انسان کی رہبری و رہنمائی اور ان کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک ومقدس اور پاکیزہ ومنور جماعت کو مبعوث فرما کر ان کو اپنی نصرتوں سے نوازا ان کو کامیاب وکامران، سرخرو وسرفراز فرمایا۔ اور ان کے مخالفین و معاندین کی ذلتوں اور رسوائیوں سے دوچار فرمایا حق کو باطل پر غالب فرمایا۔

ناظرین کرام:۔ کوئی دور ایسا نہیں آیا کوئی وقت ایسا نہیں بیتا۔ جس میں شیطانی طاقتوں، ابلیسی قوتوں، فرعونی حکومتوں، نمرودی سلطنتوں اور شدادی شخصیتوں نے مقربین بارگاہ الٰہی سے ٹکر نہ لی ہو جس میں حق اور باطل کا تصادم نہ ہوا ہو، جس میں نیکی اور بدی برسرپیکار اور صف آرار نہ ہوئی ہوں، اس تصادم اور ٹکراؤ کا جو نتیجہ اور ثمرہ برآمد ہوا وہ عالم آشکارا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلہ میں شیطانی قوتیں پسپا ہوئیں، ابلیسی طاقتوں نے راہ فرار اختیار کی، حق کے سامنے باطل دُم دبا کر

بھاگ گیا (جاء الحق و زھق الباطل) سچ کے سامنے جھوٹ کا چراغ نہ جل سکا۔ خیر کے سامنے شر نہ ٹھہر سکا۔ چراغِ مصطفوی کے مقابلہ میں شرارِ ابولہبی مانند پڑ گیا۔ ختم ہوگیا۔ فنا ہوگیا۔

ماضی کے اوراق پلٹ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کو چشم تصوّر سے دیکھیے کہ نمرود جیسا ظالم و جابر، ستمگار و جفاکار شخص جو الوہیت کا دعوے دار ہے جو وسائلِ فراواں کا مالک ہے، بے اندازہ دولت سے جس کے خزانے بھرپور ومعمور ہیں۔ زمام اقتدار جس کے ہاتھ میں ہے وہ ابراہیم علیہ السلام جیسی بظاہر بے دست وپا بے یار و مددگار بےبس و بےکس شخصیت سے ٹکراتا ہے۔ ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتا ہے۔ ان کو بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں جھونک دیتا ہے، ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتا ہے لیکن نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گل وگلزار ہو جاتی ہے۔ ذلت و رسوائی نمرود کا مقدر بن جاتی ہے، اسے تباہی و بربادی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ناظرین باتمکین! ماضی کے دریچوں کو وا کرکے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنۃ کے معرکوں کی تفصیلات ذہن میں مستحضر کیجیے۔

دیکھیے۔ فرعون اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا نعرہ بلند کرتا ہے، سرکشی، تمرد، غرور، انانیت اور استکبار کا پیکرِ مجسم فرعون، اپنی طاقت وقوت اپنی حکومت و سلطنت اپنے حشم و خدم، اپنے لاؤ لشکر اور بےپناہ اسلحہ کے نشہ میں بدمست اور مغرور ہے۔ وہ اپنی طاقت وقوت کے نشہ میں مخمور ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نبرد آزما ہوتا ہے لیکن وہ اپنے تمام دبدبہ اور ہمہمہ، اپنی تمام شان وشوکت، اپنے سارے جاہ وجلال اور تزک و احتشام، اور بے اندازہ وسائل و ذرائع کے باوجود دریا کی تیز وتند موجوں کے تھپیڑے کھاتے ہوئے دریا کی گہرائیوں میں غرق ہوکر آنے والی نسلوں کے لیے باعثِ عبرت اور موجب موعظت بنتا ہے۔ حاصل یہ کہ خیر کے مقابلہ میں جب بھی اور جہاں کہیں بھی شر آیا۔ نور وظلمت کا جب بھی تصادم ہوا، نیکی اور بدی کا جب بھی ٹکراؤ ہوا، تو انجام کار شر، ظلمت بدی کو خیر، نور اور نیکی کے مقابلہ میں ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا جب تک کسی بھی قوم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات و ہدایات کو اپنا نصب العین اور مشن بنائے رکھا۔ اسوقت تک وہ قوم اپنی عددی قلت اور وسائل کی کمی کے باوصف ساری کائنات پر چھائی رہی، باطل قوتیں اور شیطانی طاقتیں اس کے سامنے آنے کی جسارت نہ کر سکیں۔ لیکن جب بھی کسی قوم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے اعراض کیا ان کی ہدایات سے منہ موڑا انبیاء کرامؑ کے راستہ کو چھوڑ کر شیطانی راستے اور ابلیسی طریقے پر گامزن ہوئے تو پھر رسوائیاں ان کا مقدر بن گئیں اور وہ ذلتوں کے تاریک اور عمیق غار میں گر کر چشم بینا اور قلب حساس کے لیے عبرت کا سامان بن گئے۔

حضورؐ کی بعثت

تاآنکہ زمانہ فترت میں ساری دنیا انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات و ہدایات سے اعراض و انکار کرکے۔ بت پرستی، شجر پرستی حجر پرستی، کواکب پرستی کی ظلمتوں میں کھو گئی۔ دنیا جہاں کی شرارتوں اور خباثتوں میں مبتلا ہوگئی۔ شرک کو توحید سے تعبیر کیا جانے لگا۔ ظلم کو عدل قرار پایا، بدی نیکی کا روپ دھارنے لگی، شرارت، سعادت کے ہم پلہ ٹھہری، شر وفساد کو اصلاح کا نام دیا جانے لگا تو حق تعالیٰ نے باعثِ تخلیق کائنات، صاحب لولاک، سرورِ کائنات فخر موجودات، رحمۃ للعالمین، سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین، دُرِّ یتیم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا آپ نے اپنی روشن اور واضح تعلیمات سے خیر و شر، صلاح و فساد، ظلم و عدل، نور وظلمت کو ایسا ممتاز فرمایا کہ ہر اس شخص کے لیے جس میں ادنیٰ رمق حیات بھی تھی۔ دونوں راستے بالکل واضح ہوگئے دونوں راستوں میں کوئی اشتباہ، التباس نہ رہا۔

آپ کی تعلیمات کی بدولت افقِ عالم، قرآن وسنت کی ضیاء پاشیوں سے جگمگا اٹھا۔ چار دانگ عالم آپ کی روشنی سے مستفیر ہوگئے۔ خیر وشر کے راستے بالکل صاف اور واضح علیحدہ علیحدہ نظر آنے لگے۔ "قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ"

علماءِ اُمت اور علُوم نبوّت

جب محسن کائنات اپنے مشن کی تکمیل کے بعد اس دنیا سے روپوش ہو گئے تو آپؐ کے بعد بفحوائے "علماء امتی کا بنیاء بنی اسرائیل" علماء کرام پر آپ کی نیابت کی ذمہ داری آن پڑی۔ علماء کرام نے بفضلہٖ تعالیٰ ہر دور میں اپنی اس عظیم ذمہ داری کا بخوبی احساس فرمایا۔ علوم دینیہ کی نشرو اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اپنی تمام توانائیاں علوم دینیہ کی اشاعت کے لیے وقف کر دیں۔ اپنی تمام عمریں کھپا دیں، تمام دنیوی مشاغل اور علائق سے قطع تعلق اور صرف نظر کر کے "حدیث یار" کی تعلیم و تدریس میں زندگی کا ایک لمحہ لمحہ وقف کر دیا اس راہ کے ہر کانٹے کو پھول تصور کیا اس راستہ کی ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، نہ "لَوْمَةَ لَائِمٍ" ان کے لیے سدِ راہ بنی اور نہ ہی سیم و زر کی جھنکار ان کے آہنی عزم کو متاثر کر سکی اور نہ ترغیب و تحریص کے سنہری جال ان کے پائے استقلال میں جنبش پیدا کر سکے۔

حضرت امام اعظمؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ بن حنبل سے لے کر حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی۔ آپ کے چاروں صاحبزادوں، سید احمد شہیدؒ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، ازاں بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب اسیرِ مالٹاؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی اور دیگر اکابر ملت و محسنینِ امت کے روشن اور تابناک واقعات تاریخ کے صفحات و اوراق پر آفتاب نصف النہار کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ ان بزرگانِ دین نے علومِ دینیہ کی نشرو اشاعت کے سلسلہ میں کیا قربانیاں نہ دیں؟ ان بزرگوں پر جو ظلم ڈھائے گئے ان کے راستے میں جو روڑے اٹکائے گئے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں ان کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا گیا ان کا تصور بھی ہم جیسے کم ہمت لوگوں کے لیے جگر پاش اور زہرہ گداز اور جانگسل ہے۔ خدائے بزرگ و برتر اُن کی تربتوں کو ٹھنڈا فرمائیں۔ ان کی قبروں پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمادیں جن کی کوششوں، کاوشوں اور قربانیوں کی بدولت اسلام اپنی صحیح شکل و صورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ آمین۔

ابتداءً علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس کے لیے باقاعدہ مدارس و جامعات کی تعمیر و تشکیل کا طریقہ مروج نہ تھا اس وقت تک جو عالم جہاں جگہ پاتا (مسجد ہوتی یا خانقاہ) وہیں بیٹھ جاتا۔ پھر اس کے ارد گرد شمعِ علوم نبوّت کے پروانے دیوانہ وار آتے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس سے علمی پیاس بجھا کر دوسروں کی تعلیم کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے اس طرح پہلی نسلوں سے پچھلی نسلوں کو علومِ دینیہ منتقل ہوتے رہے۔ علماء کرام کی ان بے لوث اور مخلصانہ خدمات کے نتیجہ میں اُمتِ مُسلمہ میں علوم نبوّت کا چرچا عام ہو گیا تھا کہ ایک ایک عالم کے حلقۂ درس سے ہزاروں طلباء مستفید ہو کر عالم اسلام کے اطراف میں پھیل جاتے پھر ان میں سے ہر ہر عالم ایک دارالعلوم کی شکل اختیار کر لیتا۔ جس سے ہزاروں نہریں نکل کر چمنستانِ اسلام کی ترو تازگی اور سرسبزی و شادابی میں اضافہ کا باعث بنتیں۔

ہندوستان میں دینی مدارس

سکندرِ وقت سلطان محمُود غزنوی حنفی کی مساعی جمیلہ و جلیلہ سے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی تو اس وقت سے ہندوستان اسلامی علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا اور اس میں یہاں تک ترقی ہوئی کہ محمد تغلق کے زمانہ میں صرف ایک شہر دہلی میں ایک ہزار عظیم الشان مدارس قائم تھے۔ ٹھٹھہ جیسے دور افتادہ اور پسماندہ شہر میں چار سو تو بڑے بڑے مدارس تھے چھوٹے مدارس کا ناظرین کرام خود اندازہ فرما سکتے ہیں۔ لاہور، ملتان اور آگرہ جیسے بڑے بڑے شہروں کے علاوہ قصبات و دیہات میں مدارس کا جال بچھا ہوا تھا۔

مدارس ابتلاء و آزمائش کی بھٹی میں

جب انگریز نے اپنے منحوس پنجے سرزمین ہندوستان میں گاڑے تو اس نے ان مدارس عربیہ کو اپنے ناپاک عزائم اور غلیظ مقاصد کی راہ میں سدِ راہ سمجھ کر ان کو ختم کرنے کے لیے خفی اور جلی تدابیر کیں علماء کرام نے اپنے نورِ بصیرت اور قلبی

روشنی سے انگریز کے ناپاک عزائم کو بھانپ لیا، اور علوم دینیہ کی بقاء اور ترویج و اشاعت کے لیے اپنی تمام تر توجہات مدارس عربیہ کے قیام پر مرکوز کر دیں۔ فرنگی شاطر نے جب اپنا یہ حربہ ناکام ہوتے دیکھا تو اس مداری نے مدارس عربیہ کو ختم کرنے کے لیے ایک اور چال چلی کہ مسلمانوں ہی میں سے کچھ دنیا دار زر پرست ابن الوقت قسم کے لوگوں کو خرید کر مسلمانوں میں اختلاف و افتراق انتشار و خلفشار پیدا کرنے کا فریضہ سونپا۔ ان لوگوں نے علماء حق کے خلاف عوامُ الناس کو بھڑکانے اور نفور و بیزار کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا لیکن الحمد اللہ ثم الحمد اللہ علماء حقہ نے ان چیزوں کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہ دی اور پورے خلوص و للہیت سے اپنے نصبُ العین اور مشن پر ڈٹے رہے۔ اور بڑے انہماک سے تعلیمی و تدریسی اور تصنیفی خدمات میں مشغول و مصروف رہے حتیٰ کہ برصغیر پاک و ہند آزاد ہو گیا۔ مسلمانوں نے استعمار کی زنجیریں توڑ ڈالیں اور ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک حصہ پاکستان کے نام سے موسوم ہُوا اور دوسرا بھارت کے نام سے معروف ہُوا۔ تقسیم ہند کے بعد بہت سے جیّد اور متبحر علماء کرام ہجرت کر کے پاکستان تشریف فرما و رونق افروز ہوئے اور انہوں نے یہاں آکر بفضلہٖ تعالیٰ بہت سے نئے مدارس قائم کئے اور کچھ مدارس پہلے سے پاکستانی خطہ میں قائم تھے۔ بحمد اللہ علماء کرام کی مساعی جمیلہ کی بدولت اسوقت ملک میں ہزاروں دینی مدارس موجود ہیں، جن میں سے بعض مدارس تو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر علوم دینیہ کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ، اکوڑہ خٹک ملتان، ساہیوال، گوجرانوالہ، راولپنڈی سرگودھا، حیدرآباد، ٹنڈو الہ یار، بنوں، مردان کوہاٹ، ہزارہ وغیرہا میں نئے مدارس قائم کئے گئے جو اپنی تعلیمی و تدریسی کی خدمات کی بنا پر ملک میں مشہور و معروف ہیں۔ اسی طرح ضلع بہاولنگر کے مدارس جو منچن آباد، محمد پور، بہاولنگر شہر میں تقسیم ہند سے پہلے قائم ہو چکے تھے ارتقاء و عروج کے منازل طے کرتے رہے اور قصبات و دیہات کے پرانے مدارس کو ترقی دی گئی۔ حاصل یہ کہ خطہ پاکستان میں تقسیم سے قبل علوم دینیہ کی جو حیثیت تھی اس میں پہلے کی نسبت بہت زیادہ ترقی ہوئی۔

مدارس عربیہ کے حیرت انگیز اثرات

ناظرینِ کرام! آیئے میں آپ کو علوم دینیہ کے حیرت انگیز، روح پرور اور جانفزا اثرات و ثمرات سے روشناس کراؤں، جن سے قلب و نظر کو جلا اور ذہن و فکر کو وہ روشنی ملے گی کہ جس کے سامنے تمام دنیوی مال و متاع اور حشمت و شوکت ہیچ معلوم ہوگی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

دنیا ہمہ ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ
اے ہیچ برائے ہیچ در ہیچ پیچ!

معاشرہ پر مدارس عربیہ کے اثرات

(۱) مدت مدید تک مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی میل جول اور اختلاط کی بنا پر مسلمانوں میں ہندووانہ رسمیں جاگزیں ہو گئی تھیں اور ان میں یوماً فیوماً اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ مسلم معاشرہ پر ہندووانہ تہذیب کے اثرات نقش ہوتے جا رہے تھے۔ بالخصوص دہلی کے بعض ہندو نواز سلاطین نے ہندو تہذیب و تمدن کی طرف اپنے رجحان و میلان کی بناء پر ہندو تہذیب کے وقار اور اثرات کو بڑھا دیا۔

یہ عربی مدارس کی برکات و اثرات اور علماء کرام کی مساعیٔ جمیلہ کے نتائج و ثمرات ہیں اور ہندو تہذیب، مسلم تہذیب پر غالب نہ آسکی۔ ہندو رسوم کا عفریت مسلم تہذیب کو نگل نہ سکا۔ اور مسلمان اپنے علیحدہ تشخص، علیحدہ تہذیب اور اپنے الگ مقام کا تحفظ کرنے میں کامیاب و کامران ہوئے اور برصغیر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کا ظاہری امتیاز برقرار رہا، اور ہندو تہذیب دن بدن مغلوب ہوتی چلی گئی۔

۲۔ ۱۸۵۷ء برٹش گورنمنٹ۔ ملک ہندوستان پر مسلط ہوئی۔ اس حکومت نے اپنی تہذیب پھیلانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور حکومتی سطح پر اس نے اپنی تہذیب مسلط کرنے کی ٹھانی اور یہ تہذیب پوری طاقت و قوت کے ساتھ اثر انداز ہونا شروع ہوئی اس نئی تہذیب نے اپنی ظاہری جگمگاہٹ اور چمک دمک سے ہندوستان کے باشندگان کو متاثر کرنا شروع کیا اس تہذیب سے ہندو کم اور مسلمان زیادہ متاثر ہوئے۔ باوجودیکہ انگریز اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اسلامی تہذیب کو مٹانے

کے در پے تھا اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس نئی تہذیب کی طرف لپکنے میں پیش پیش تھا۔ لیکن اس کے باوجود اسلامی مدارس دینی درس گاہوں کی بدولت مسلمانوں کی اکثریت مغربی تہذیب میں جذب ہونے سے محفوظ رہی۔ اور انگریزی حکومت اپنی پوری طاقت و قوت صرف کرنے کے باوجود مغربی تہذیب کے رنگ میں عام مسلمانوں کو رنگنے میں ناکام رہی۔

۳۔ برٹش گورنمنٹ کی پشت پناہی کی وجہ سے مسیحی مبلغین، مسیحیت کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں بڑے زور شور سے ساعی اور کوشاں ہوتے اور انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی تمام تر توانیاں اور کوششیں صرف کیں لیکن مدارس عربیہ کے اثرات کی برکت سے مسلمان فتنۂ ارتداد سے محفوظ رہے اگر مدارس عربیہ اور ان کے پیدا کردہ واعظین و مبلغین اور مناظرین نہ ہوتے تو آج ملک کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

۴۔ انگریزی دورِ حکومت میں آریہ سماج نے ہندوؤں کے امیر طبقہ کے تعاون سے سارے ہندوستان میں حتیٰ کہ دور دراز دیہات و قصبات میں شدھی کی تحریک بڑے زور و شور سے چلائی۔ مسلمانوں کو ہندو بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مدارس عربیہ کے فضلاء نے دین اسلام کی حفاظت و صیانت کے سلسلہ میں خدا تعالیٰ کی رضاء اور خوشنودی کے حصول کے لیے ہندوستان کے طول و عرض میں پھیل کر دفاع اسلام کا فریضہ اس عمدگی اور خوبی سے سرانجام دیا۔ کہ یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زیر زمین دفن ہوگیا اور مسلمان اس عظیم فتنہ کے مفاسد اور قبائح سے محفوظ رہے

۵۔ انگریز نے مسلمانوں میں انتشار و خلفشار اور اختلاف و افتراق پیدا کرکے ان کی قوت کو مضمحل اور کمزور کرنے کے لیے مسلمانوں میں سے ایسے اشخاص و افراد تیار کئے جو اسلام کا لیبل لگاکر اسلام ہی کے بنیادی اور اساسی عقائد پر کلہاڑا چلاتے تھے اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کا حلیہ مسخ کرنے میں پیش پیش تھے لیکن بفضلہ تعالیٰ علماء کرام کی کوششوں اور کاوشوں کی بدولت یہ لوگ اپنے اغراض مشئومہ میں بری طرح ناکام و نامراد اور خائب و خاسر ہوئے۔ اور انگریز اپنی اس تدبیر کا یہ حشر دیکھ کر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور کچھ نہ کرسکا۔

۶۔ مغربی تعلیم و تہذیب کے شیوع کی وجہ سے مسلمان اسلامی عقائد میں، شکوک و شبہات کا شکار ہونے لگے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مستشرقین کی تصنیفات ملک کے طول و عرض میں پھیل گئیں جن سے بہت سے مسلمان اسلامی عقاید کے بارے میں متذبذب ہونے لگے۔ لیکن مدارس عربیہ کے فضلاء نے اپنی تقریروں، تحریروں، بیانات اور تصانیف کے ذریعہ اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روکا اس طوفان کے آگے بند باندھ کر مسلمانوں کو اس کی طلاطم خیز موجوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ہرممکن مساعی جمیلہ بروئے کار لائے۔

۷۔ انگریزی حکومت کے ہندوستان پر تسلط کے بعد باوجودیکہ مسلمان بری طرح غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ لیکن مدارس عربیہ نے ان کی اسلامی روح کو نہ ختم ہونے دیا۔ مدارس عربیہ کے ان اثرات کا نتیجہ تھا کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان مصائب و مشکلات کا شکار ہوئے جہاں کہیں بھی ابتلاء کے دور سے ان کو گذرنا پڑا تو مدارس عربیہ کی پیدا کردہ اسپرٹ کی وجہ سے مسلمانانِ ہند نے اسلامی اخوت کے جذبات کے تحت ان کا پرجوش ساتھ دیا۔ مظالم سمرنا، تحریک خلافت اور جنگ طرابلس وغیرہ میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں نے اخوت اسلامی کے ایسے پرجوش مظاہرے کئے کہ تمام اسلامی ممالک ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

۸۔ تحریک پاکستان کی کامیابی بھی مدارس عربیہ کے پیدا کردہ اثرات کی رہین منت ہے۔ مدارس عربیہ کی تعلیمات کی وجہ سے مسلمانوں میں اسلام کے ساتھ گہری وابستگی قائم تھی اس جذبہ سے سرشار ہوکر مسلمانوں نے ایسی عظیم قربانیاں دیں جس کی مثالیں خال خال ملتی ہیں۔

۹۔ ۱۹۷۷ء میں بھٹو کے خلاف تاریخ کی جو عظیم و جلیل بلکہ لافانی و لاثانی تحریک چلی۔ جس نے بھٹو جیسے عیّار و مکّار، شاطر و ہوشیار، اور ظالم و جابر حکمران کا ناطقہ بند کردیا اس تحریک کی تہ میں بھی مسلمانوں کی اسلام کے ساتھ گہری وابستگی کار فرما تھی اور یہ وابستگی مدارس عربیہ اور علماء کرام کی خدمات کا نتیجہ اور ثمرہ تھی۔

۱۰۔ ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف جو فقید المثال اور عدیم النظیر تحریک چلی جس

صفحۂ خواتین

حضرت اُمِّ سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

قاری احمد میاں تھانوی
۱۱۹۔ ملتان روڈ۔ لاہور

ریڈیو پاکستان کے پروگرام صحابیاتِ رسولؐ میں ۹ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ کو نشر ہوئی۔

خواتین اسلام میں حضرت ام سلیمؓ کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ان کا صبر ایک مثالی صبر کی حیثیت سے مشہور ہے ان کا نام رملہ یا سہلہ تھا ام سلیم کی کنیت سے مشہور ہیں۔

حضرت ام سلیم نہایت صابر متقی اور پرہیزگار خاتون تھیں ایک رشتہ سے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی تھیں حضرت ام سلیم اسلام قبول کرنا چاہتی تھیں اور ان کے شوہر مالک بن نضر تبدیلیٔ مذہب پر راضی نہ تھے دونوں میں کشیدگی بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ مالک بن نضر ان کو چھوڑ کر شام چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا مالک بن نضر سے ان کے ایک بیٹے تھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو کہ مشہور صحابی ہیں۔ ایک بار آپ، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں انس بن مالک کو آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں، یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے لیے دعا فرمائیں۔

حضرت ام سلیمؓ نے اکثر غزوات میں بھی شرکت فرمائی۔ حدیث میں ہے،

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو بام سلیم ونسوۃ من الانصار معه اذا غزیٰ فیسقین الماء ویداوین الجرحی (رواہ المسلم)

غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کے جمتے ہوئے قدم اکھڑ گئے تھے وہ نہایت مستعدی سے کام کر رہی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور مشک خالی ہو جاتی تو اور بھر لاتیں۔ خواتین اسلام میں اور بھی ایسی بہت سی صحابیات ہیں جنہوں نے غزوات میں شرکت فرمائی ہے۔ حضرت ام زیاد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں ہم چھ عورتیں جہاد میں شرکت کے لیے چل دیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو ہم کو بلایا۔ حضورؐ کے چہرہ پر غصہ کے آثار تھے۔ آپ نے فرمایا تم کس کی اجازت لے کر آئیں ہم نے عرض کیا حضور ہم کو اُون بننا آتا ہے اور جہاد میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ زخمیوں کی دوائیں ہمارے ساتھ ہیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی میں ہم مدد کرسکیں گی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ غزوہ حنین میں حضرت ام سلیم باوجودیکہ حاملہ تھیں، شریک رہیں۔ اور ایک خنجر ساتھ لیے رہتی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا ام سلیم یہ خنجر کس لیے ہے عرض کیا اگر کوئی کافر میری طرف بڑھے گا تو اس کے پیٹ میں ٹھونس دوں گی۔

حضرت ام سلیم کے شوہر مالک بن نضر کا ملک شام میں انتقال ہوگیا تو ام سلیم نے ایک عرصہ تک دوسرا نکاح تک نہیں فرمایا تاکہ اپنے بیٹے حضرت انسؓ کی اچھی طرح پرورش کر سکوں۔

جب حضرت انسؓ جوان ہوئے تو ان کے قبیلہ کے ایک شخص ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ ابوطلحہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے حضرت ام سلیمؓ نے پہلے شوہر سے ان کی مشرک کی وجہ سے علیحدگی گوارا کی تھی وہ کیسے برداشت کرسکتی تھیں کہ ایک دوسرے مشرک کے ساتھ نکاح کرلیتیں۔ چنانچہ صاف صاف انکار کر دیا۔

اور کہا کہ میں تو خدا کے سچے رسولؐ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی ہوئی ہوں۔ افسوس ہے تم پر کہ پتھر اور لکڑی کے بتوں کو پوجتے ہو جو کسی کو نفع

یا ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ میں رب واحد کی پرستار تم بتوں کے پجاری۔ میرا تمہارا میل کیسے ہو سکتا ہے یہ باتیں کچھ ایسے دلنشیں انداز میں ام سلیمؓ نے کہیں کہ ابوطلحہ کا دل پسیج گیا۔ کچھ دن اسی کشمکش میں گذر گئے بالآخر ایک روز ابوطلحہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ آپ بڑے جلیل القدر صحابی ہوئے اور بیعت عقبہ میں شرکت کی۔ حضرت ام سلیم کو ابوطلحہؓ کے ایمان لانے کی بہت خوشی تھی۔ آپ نے اپنے بیٹے حضرت انس سے فرمایا کہ اب تم ابوطلحہ کے ساتھ میرا نکاح پڑھا دو۔ اور میں مہر معاف کرتی ہوں۔ میرا مہر تو ان کا اسلام قبول کر لینا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ سرور عالم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کچھ عرصہ بعد جب رسول کریم مدینہ تشریف لائے تو ابوطلحہ اور ام سلیمؓ کی مسرت قابلِ دید تھی چند دن کے بعد جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ قائم فرمایا تو اس مواخاۃ کے لیے ام سلیم کے مکان کو یہ شرف بخشا گیا وہاں تمام صحابہ مہاجرین اور انصار اس مقصد عظیم کے لیے جمع ہوئے۔

حضرت ام سلیم کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور فرزند عطا فرمایا تو انہوں نے اس کا نام ابوعمیر رکھا یہ ننھا منا عمیر ابوطلحہؓ کی آنکھوں کا نور تھا، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس بچہ سے لاڈ پیار فرمایا کرتے تھے ایک روز آپ ام سلیم کے گھر تشریف لائے تو ننھے ابوعمیر کا چہرہ اُترا ہوا تھا آپ نے ام سلیم سے پوچھا کیا بات ہے آج ابوعمیر کچھ سست ہے حضرت ام سلیم نے کہا یا رسول اللہؐ ابوعمیر کی چڑیا جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا آج مر گئی ہے اس لیے وہ غمگین ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعمیر کو اپنے پاس بلایا اور اس کے سر پر اپنا دستِ شفقت رکھا اور پوچھا

یا ابا عمیر ما فعل النغیر

اے ابوعمیر تمہاری چڑیا کیا ہوئی۔ آپ کی شفقت سے بچہ ہنس پڑا اور کھیل کود میں مشغول ہو گیا۔

چند دن کے بعد ابوعمیر نے کمسنی کی عمر میں وفات پائی۔ ابوطلحہ اس وقت گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ حضرت ام سلیمؓ نے اپنے لاڈلے لختِ جگر کی رحلت پر کمال صبر و استقلال سے کام لیا خاموشی سے اس کی میت کو غسل دے کر کفنایا اور ایک طرف رکھ دیا اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو منع کیا کہ ابوطلحہ کو عمیر کی موت کی خبر نہ دیں۔

رات کو ابوطلحہ گھر تشریف لائے ام سلیم نے انہیں کھانا کھلایا۔ جب وہ اطمینان سے بستر پر لیٹے تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اگر آپ کو کوئی چیز مستعار دی جائے اور پھر واپس لے لی جائے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کر دو گے یا اس کا واپس لیا جانا تمہیں ناگوار گذرے گا حضرت ابوطلحہ نے جواب دیا۔ ہرگز نہیں۔ ام سلیم نے فرمایا کہ ہمارا بیٹا عمیر اللہ کی امانت تھی جو اس نے واپس لے لی اور ہمیں اس کی طرف سے صبر کرنا چاہیے۔ ابوطلحہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا آپ نے کہا تاکہ آپ اطمینان سے کھانا کھا لیں۔

ماں کی مامتا صبر کی یہ انوکھی مثال حضرت ام سلیم جیسی صابر خاتون کا حصہ ہے۔

جب یہ واقعہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سنایا تو آپ نے ام سلیمؓ کے شیوۂ صبر و رضا پر اظہار پسندیدگی فرمایا اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ام سلیم کو ابوعمیر کا نعم البدل عطا فرمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ام سلیم کے یہاں دوپہر کو آرام فرمایا کرتے تھے جب آپ بستر سے اٹھتے تو اُم سلیم آپ کے موئے مبارک ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں مقام منیٰ میں بھی حج کے بعد ام سلیمؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک حجام سے مانگ لیے اور اپنے پاس محفوظ فرما لیے۔

ایک بار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے مشکیزے سے اپنا دہن مبارک لگا کر پانی نوش فرمایا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اٹھیں اور مشکیزے کا منہ کاٹ کر محفوظ کر لیا کہ اس سے رحمتِ دو عالم کے ہونٹ مس ہوئے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو صحابیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

کاش

کاش یہ اہلِ دانش ہوتے! اِن کے گھر میں فاقہ ہوتا! کوئی اِن کا آقا ہوتا! لیلیٰ ہوتی، ناقہ ہوتا!

کاش یہ اہلِ بینش ہوتے! اِن کے بچّے ننگے ہوتے! ہمسائے بے ڈھنگے ہوتے! چاروں سمت لفنگے ہوتے!

کاش یہ اہلِ خانہ ہوتے! اِن کے قلم پر پہرے ہوتے! جھوٹ کے سائے گہرے ہوتے! ان کے دشمن بہرے ہوتے!

کاش یہ اہلِ بصارت ہوتے! اِن کے سینے میں دل ہوتا! بدلا رنگِ محفل ہوتا! سارا زمانہ جاہل ہوتا!

کاش یہ اہلِ بصیرت ہوتے! اِن کا دیدہ بینا ہوتا! زخمی اِن کا سینا ہوتا! سب کو ان سے کینہ ہوتا!

کاش یہ اہلِ سماعت ہوتے! ان کو اپنا ہوش بھی ہوتا! شورِ نائے و نوش بھی ہوتا! ہنگاموں کا جوش بھی ہوتا!

کاش یہ دولت مند نہ ہوتے! اِن کے گھر میں غربت ہوتی! غربت اور فلاکت ہوتی! پھوٹی اِن کی قسمت ہوتی!

کاش یہ اسمگلر نہ ہوتے! اِن کے گھر اندھیارے ہوتے! سُورج چاند نہ تارے ہوتے! یہ سارے گھسیارے ہوتے!

کاش یہ سب چنگیز نہ ہوتے! اِن کے گھر انگریز نہ ہوتے! فوٹو حرص انگیز نہ ہوتے! دانت بھی ان کے تیز نہ ہوتے!

کاش یہ افسر شاہ نہ ہوتے! اِن کے گھر دیوار نہ ہوتی! کوٹھی، بیگم، کار نہ ہوتی! ساڑھی تِلّے دار نہ ہوتی!

کاش یہ راہ نما نہ ہوتے! اِن کے گھر کمخواب نہ ہوتے! منبر اور محراب نہ ہوتے! رستم اور سہراب نہ ہوتے!

کاش یہ شہزادے نہ ہوتے! اِن کے گھر میں محنت ہوتی! محنت اور مشقّت ہوتی! خلقِ خدا کی خدمت ہوتی!

لیکن یہ سب کیسے ہوگا؟ جب تک ہم بیدار نہ ہوں گے

تختہ ہائے دار نہ ہوں گے! دستِ جفا بے کار نہ ہوں گے

۲۴ جنوری ۱۹۸۱ء ——— (قلم برداشتہ) ——— آزاد شیرازی مدیر تذکرہ لاہور